قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

ماہنامہ

المرشد

لاہور

مارچ ۱۹۹۲ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۶۰۷

شیخ المکرم حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ

کے بیانات کی وِڈیو کیسٹس تیار ہو چکی ہیں

وِڈیو کیسٹ

رمضان المبارک ــــــــــ کیسٹ نمبر

۲۱ ۲۲ ــــــــــ ۱

۲۳ ۲۴ ۲۵ ــــــــــ ۲

۲۶ ۲۷ ۲۸ ــــــــــ ۳

۲۹ ۳۰ ــــــــــ ۴

تقریب رونمائی عبارِ راہ لاہور ــــــــــ ۵

اجتماع لنگر مخدوم ــــــــــ ۶

۲۵۰/- روپے فی کیسٹ مع ۱۰/- روپے ڈاک خرچ، بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر ناظمِ اعلیٰ کے نام بھیج کر منگوا سکتے ہیں،

ناظم اعلیٰ اویسیہ سوسائٹی - کالج روڈ - ٹاؤن شپ - لاہور

رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ مارچ ۱۹۹۲ء

جلد: ۱۳ شمارہ: ۸

رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۸۶۰

ماہنامہ المرشد لاہور

یکے از مطبوعات :- ادارہ نقشبندیہ، اویسیہ دار العرفان چکوال

فہرست مضامین

اداریہ ۳

نعت ۴

دوسرا راستہ ۵

اسلام - دین اور دنیا ۱۳

انسانی حقوق ۲۳

کشف اور اس کی کیفیت ۳۳

اسلام میں معذور افراد کے حقوق ۳۵

دل کی صفائی ۳۹

مقبول اور غیر مقبول عبادت ۴۲

دلوں کی مشابہت ۴۵

بدل اشتراک

فی پرچہ: دس روپے ششماہی: ۵۵ روپے

چندہ سالانہ: ۱۰۰ روپے تاحیات ۱۰۰۰ روپے

غیر ملکی

سالانہ - تاحیات

سری لنکا، بھارت، بنگلہ دیش ۲۰۰ روپے - ۲۰۰۰ روپے

مشرق وسطیٰ کے ممالک ۵۵ سعودی ریال - ۲۵۰ سعودی ریال

برطانیہ اور یورپ ۱۲ سٹرلنگ پونڈ - ۶۰ سٹرلنگ پونڈ

امریکہ و کینیڈا ۲۵ امریکن ڈالر - ۱۲۵ امریکن ڈالر

پتہ :- ماہنامہ المرشد - اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔ ٹیلیفون لاہور ۸۴۴۹۰۹

ناشر :- پروفیسر حافظ عبد الرزاق، پرنٹرز :- طیب جمال، ریٹی گن روڈ - لاہور

ماہنامہ **المرشد** کے :

بانی : حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست : حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیر اعلیٰ
نشر واشاعت : پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم۔اے (عربی) ایم۔اے (اسلامیات)

ناظم اعلیٰ : کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

مدیر : تاج رحیم

اداریہ

رمضان المبارک کی برکات اور فضائل کا شمار نہیں اور تمام برکات اور فضائل برحق ہیں۔ اعلیٰ ترین اور بابرکت انعام جو انسانیت کو اس ماہ میں نصیب ہوا۔ وہ کلام اللہ کا نزول ہے۔ اسی کلام کی تلاوت کا اہتمام تمام مساجد میں باقاعدگی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ہر شخص ذاتی طور پر بھی حسبِ توفیق کلام اللہ کی تلاوت کرتا ہے۔ اس تلاوت کی برکات کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے ساتھ رمضان کی تمام پابندیوں، روزہ، نماز، تسبیحات، راتوں کو جاگ کر عبادت میں مشغولیت اور ذکر اذکار۔ اس تمام کا حاصل یہ ہے کہ دِل پر اس کی تاثیر کتنی گہری ہے۔ یہ سوچ لینا کہ اِس کا تعلق دُنیوی زندگی سے نہیں بلکہ آخرت کے کھاتے میں ثواب کا اندراج مقصود ہے جو مرنے کے بعد جنت جانے کے لیے بطور ٹکٹ کام آئے گا اِس کی قبولیت تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ لیکن اس دنیا میں بھی اس کا حاصل ضروری ہے۔ اگر ایسا اثر ہو کہ دُنیوی زندگی میں اطاعتِ الٰہی نصیب ہو جائے۔ انسان میں گناہ کے مقابلے کی ہمت پیدا ہو جائے۔ حرام سے بچنے کی توفیق نصیب ہو جائے، حق بات کہنے اور حق پر قائم رہنے کی جرأت مل جائے، تب تو اُس شخص نے رمضان المبارک میں اپنی ذات کی تربیت کرلی۔ اُسے کلام اللہ کی تلاوت کی برکات نصیب ہوگئیں اور اس ماہ کی تمام نعمتیں اُسے مِل گئیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی آخرت بھی سنور گئی۔ اگر وہ شخص اپنی تمام ریاضت و عبادت کے باوجود حق کہنے، حق سُننے، حق قائم کرنے کے لیے کوشش سے معذور ہے۔ حلال کھانے اور اطاعتِ الٰہی سے معذور ہے تو ایسے شخص نے اپنے یار دوستوں اور رشتہ داروں پر پرہیزگاری کا رعب تو جمالیا۔ لیکن اللہ کے کلام کی تاثیر سے اپنے قلب کو محروم رکھا۔

تاج رحیم

عرض

بحضورِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

باں دیار کہ خاکش ز عرش اولیٰ تر
باں دیار کہ بختِ سیہ شود یاور

باں دیار کہ خوابیدہ اند سرورِ پاک
باں دیار کہ چشماں شوند ہم نمناک

باں دیار کہ باشد مکانِ امن و سلام
باں دیار کہ دل خستگاں کنند آرام

باں دیار چو گذری صبا سلامم گو
حضورِ سرورِ کونین را پیامم گو

کہ یک نگاہِ کرم کن بسوئے پاکستان
بجز نگاہِ تو خواجہ بہا نہ یک ساماں

ہنود راز کرشمہ کن ایں چناں پامال
"بعمر باز نماند چہ جائے مال و منال"

چو صف کشیدہ مجاہد رود بہ حیلہ جنگ
تو عزم و ہمتِ فاروقؓ دہ باہلِ تفنگ

اگرچہ امتیاں بس گناہ گار انند
نگاہِ لطف و کرم را امیدوار انند

بنخش حامدِ عاصی کہ خاک پائے شما
اگرچہ دور ز کوئے یکے گدائے شما

محمد حامد

؎ خواجہ حافظ

دُوسرا راستہ

مولانا محمد اکرم۔اعوان

جس آدمی کو دُنیا میں رہنے کا سلیقہ نہیں آتا اور وُہ یہ سمجھتا ہے کہ وُہ ایک اچھا مُسلمان ہے تو وُہ غلط فہمی کا شکار رہے۔ مسلمان تو ہو سکتا ہے لیکن اچھا مسلمان نہیں۔ اس لیئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مُسلمان تیار فرمائے تھے اُن جدید دُنیا کو وُہ ایجادات عطا کر کے گئے۔ آج کی دُنیا سیاسیات کی ایسی چیمپئن ہے کہ سیاسیات میں اس نے مختلف پلٹے کھائے۔ کہیں کیمونزم آیا کہیں سوشلزم آیا پھر بالآخر جمہوریت آئی اور اب جمہوریت کے گُن دُنیا بھر میں گاتے جا رہے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی امیر و فقیر سے لیکر پیر اور عالم تک جمہوریت پہ فدا ہو رہے ہیں اگر آپ دیکھیں تو پاکستان کی جمہوریت ایک طرح کی ہے ہندوستان کی جمہوریت کسی اور طرح کی ہے۔ برطانیہ کی اپنی طرح کی جمہوریت ہے اور فرانس کی جمہوریت اپنی طرز کی۔ امریکہ جو جمہوریت کا چیمپئن ہے اُس کی جمہوریت بالکل الگ قسم کی ہے یعنی اس جمہوریت پر بھی اس کا اتفاق نہیں ہے۔

لیکن جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار فرمائے تھے اور اُنہوں نے دُنیا کو اُس زمانے میں ریاستی حکومتی تصور اور عملی طور پر اس کی تعبیر عطا کی تو سب سے پہلے خلفائے راشدین نے حکومت کا ایک ڈھانچہ بنایا کہ حکومت کیسے ہوگی۔ مرکز میں امیر ہوگا۔ پھر مرکز صوبوں میں ملک کو تقسیم کرے گا۔ صوبوں میں گورنر ہونگے پھر دو الگ محکمے ہوں گے ایک اندرونی امن و امان قائم رکھنے کے لیئے ایک بیرونی دشمن سے جہاد کے لیئے۔ بیرونی دشمن سے دفاع کا محکمہ فوج کہلائے گی۔ اندرونی جو نظام کرے گا وُہ پولیس کہلائے گی۔ عدالت ان دونوں سے الگ ہوگی۔ قاضی یا مفتی ان دونوں سے الگ ہوگا۔ اور وُہ مجاز ہوگا کہ گورنر کے خلاف بھی سُن سکے۔ اور حکومت اور حاکم وقت کی جواب طلبی بھی کر سکے۔ زمین کے چپے چپے کی پیمائش سب سے پہلے سیدنا فارُوق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے عہد مُبارک میں کی گئی اُسے ضلع اور تحصیلوں پر تقسیم کیا گیا اور عجیب بات یہ ہے۔ جو شعبہ جاسُوسی ہے۔ یہ بھی اُسی وقت ترتیب دیا اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کمال تک اُنہوں نے اس بات کو پہنچایا کہ آج تک کوئی اس پر اضافہ نہیں کر سکا۔ دُنیا کے ہر ملک کا بنیادی سٹرکچر حکومت کا وُہی ہے جو خلفائے راشدین نے دیا۔ وُہ نظریاتی طور پر سوشلسٹ ہو۔ یا وُہ نظریاتی طور پر دہریئے ہوں۔ یا کیمونسٹ ہوں۔ یا وُہ جمہوریت کے چیمپئن ہوں۔ وُہ ان کے خیالات اور تصورات ہیں جو سٹرکچر ان کی گورنمنٹ کا ہے وُہ وُہی ہے جو صحابہ کرام نے دیا۔ بارُود سے کر بحری جہاز اور بحری جنگ تک اس کا CONCEPT ہی صحابہ نے دیا۔ تصور ہی اُنہوں نے دیا۔ کہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔

محمد بن قاسم، اللہ کریم اُن پر کروڑوں رحمتیں نازل فرماتے۔ جس نے اس سرزمین پہ اللہ کا دین پُہنچایا۔ سیاسی تغیر و تبدل میں اتنے قیمتی انسان کو سزائے موت دے دی گئی۔ جس جیل میں وُہ تھے۔ اس جیلر کو بہُت دکھ تھا کہ اتنا قیمتی انسان اور محض سیاسی رنجشوں کی وجہ سے قتل کر دیا جائے۔ تو رات اُس نے سوچا کہ اس وقت تو یہ میری تحویل میں ہے مَیں اس شخص کو نکال سکتا ہوں کیا فرق پڑتا ہے میں یہاں نہیں رہوں گا۔ ملازمت نہیں رہے گی کہیں اور چلا جاؤں گا۔ تو اُس نے اپنے بھاگنے کا بھی انتظام کیا اور محمد بن قاسم کے لیئے گھوڑے کا اہتمام کر کے گیا۔ کوٹھڑی کا دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اُن کے پاس کوئلے کا ٹکڑا سا ہے اور اس سے آڑی ترچھی لکیریں بنا رہے ہیں۔ وُہ کہنے لگے آؤ بیٹھو۔

میں تجھے سمجھاتا ہُوں۔ اچھا ہُوا تم آگئے۔ وُہ کہنے لگا میرے پاس تو وقت نہیں ہے اور آپ کے پاس بھی وقت کم ہے۔ باتیں تو بعد میں بھی ہوسکتی ہیں۔ آپ پہلے میرے ساتھ چلیں۔ کہاں چلنا ہے بھائی؟ اُس نے ساری بات بتائی تو فرمانے لگے اگر مجھے موت سے بھاگنا ہوتا تو میں سندھ سے یا ہندوستان سے واپس آنے سے انکار کر دیتا مگر مجھے گرفتار نہیں کرسکتا تھا۔ میرے پاس طاقت زیادہ تھی اور مرکز کے پاس کم۔ لیکن اپنی ایک جان بچانے کے لیے مسلمان قوم کو آپس میں لڑانا یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ میری ایک زندگی کے لیے مسلمان آپس میں بٹ جائیں اور مسلمان مُسلمانوں کے ساتھ لڑیں۔ تمہاری بہُت مہربانی لیکن میں جان بچانے کے لیے بھاگ نہیں سکتا تمہاری بات ختم ہُوئی اب تم بیٹھو میری بات سُن لو کہ شاید کوئی مجھے ایسا آدمی نہ ملے جسے میں سمجھا سکوں۔ تو وُہ منجنیق کا نقشہ بنا رہے تھے۔ اُس زمانے کی توپ منجنیق تھی۔ لکڑی کا ایک بہُت بڑا آلہ ہوتا تھا جس میں بہُت سے پتھر بھر دیتے تھے اور وُہ گولے کی طرح پھینکتے تھے انہوں نے کہا۔ مجھے بہُت تجربہ ہُوا ہے اس سے نشانہ اتنا صحیح نہیں لگتا اگر اس میں فلاں تبدیلیاں کر دی جائیں۔ میں نے نقشہ بنایا ہے۔ یہ زیادہ دُور گولہ پھینکے گی۔ اور زیادہ با اثر ہوگی۔ نشانے کے اعتبار سے وُہ کہنے لگا عجیب بات! فجر کا سُورج دیکھنا شاید آپ کی قسمت میں نہیں ہے یہ فیصلہ حکومت کی طرف سے ہے، اللہ تو قادر ہے جو چاہے کرے لیکن بظاہر صبح کا سُورج دیکھنا آپ کی قسمت میں نہیں آپ اس کو کیا کریں گے؟ وُہ کہنے لگا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ میرے مرنے سے مسلمان قوم مرجائے گی یہ تو میں قوم کے لیے سوچ رہا ہوں یہ وُہ قوم ہے جسے قیامت تک رہنا ہے یہ وُہ لوگ تھے جو صحابہ کے خوشہ چین تھے۔ جو پودا انہوں نے آگے تیار کی تھی۔

بڑی بڑی حکومتوں کو بڑے بڑے حکمرانوں کو تہذیب اُنہوں نے سکھائی سیاسیات میں امام تھے معاشیات کا سارا نظام اُنہوں نے بدل کے رکھ دیا۔ اُس وقت کی پُوری دُنیا پر آج سے کہیں زیادہ سُودی نظام چھایا ہُوا تھا۔ آج ہم یہ کہتے ہیں کہ اس نظام کو تبدیل کرنا ہمارے بس کی بات نہیں اس لیے کہ ہم نے دُنیا میں رہنا ہے۔ اور پُوری دُنیا میں یہی نظام ہے تو ہم اگر اسے بدل دیں تو کس طرح سے لین دین ہوگا۔ ہمارے معاملات کیسے چلیں گے۔ ہم بین الاقوامی طور پر ہم کیا کریں گے۔ لیکن کیا اس وقت بین الاقوامی طور پر سُودی کاروبار نہیں تھا؟ ساری دُنیا میں یہی بات نہیں تھی؟ اور کیا اُنہوں نے پُوری زمین پر سے یہ نظام تبدیل نہیں کر دیا؟ اور صرف یہ نہیں کیا تھا کہ سُود لینے دینے کو روک دیں کسی کام کو روکنے سے وُہ نہیں رُکتا جب تک آپ متبادل راستہ اُس سے بہتر نہ دیں آپ اپنی ذات کو شاید روک لیں۔ آپ کسی دو چار آدمیوں کو روک لیں۔ آپ کسی معاشرے کو روکنا چاہتے ہیں کسی بُرائی سے کسی عیب سے تو اس کا متبادل اُس سے بہتر خوبصورت راستہ آپ کو دینا ہوگا۔ اگر آپ معاشرے سے سُود ختم کرنا چاہتے ہیں تو اُس سے بہتر اکنامکس سٹرکچر جو پہلے اُس سے بہتر معاشی نظام جو ہے وُہ آپ کو دینا ہوگا۔ اور اللہ کے اُن بندوں نے ایسا معاشی نظام دیا کہ آج یک کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایسا معاشی نظام قائم ہُوا کہ زکوٰۃ دینے والے جھولیاں بھر بھر کر پھرا کرتے تھے اور اُنہیں لینے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ یہ ریکارڈ ہے کہ رُوئے زمین پر یہ معاشی کامیابی صرف غلامانِ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہُوئی۔ کہ ملک بھر میں زکواۃ دینے والے بے چین ہوتے تھے اور لینے والا ملتا کوئی نہیں تھا سوائے سرکاری خزانے کے اور بیتُ المال کے زکوٰۃ کا مصرف کوئی نہیں رہ گیا تھا۔ ہر آدمی اپنی ذات کے لیے اپنی ضروریات کے لیے اپنے وسائل سے مزدوری سے، ملازمت سے، کھیتی باڑی سے، تجارت سے اپنے لیے وسائل حاصل کر لیتا تھا کسی کو زکوٰۃ کی ضرورت نہیں تھی یہ ثمرات تھے اُس معاشی نظام کے جو اُن اللہ کے بندوں نے انسانیت کو عطا فرمایا۔ دُنیا نے ان بنیادوں پر سوچ کر اُن چیزوں کو ترتیب دیکر آگے ایجادات کیں۔

آج ٹیلیفون ایجاد ہو گیا ہے انہوں نے اُس زمانے میں ڈاک کی چوکیوں کی بنیاد رکھ کے ٹیلیفون کی رفتار سے ڈاک کو ایک سرے سے دُوسرے سرے تک پہنچا دیا۔ ہر دس پندرہ میل کے بعد ایک چوکی ہوتی تھی ہر چوکی پر دس پندرہ گھوڑے ہوتے تھے دس پندرہ سپاہی ہوتے تھے۔ ایک جگہ سے اگر کسی نے چِٹھی دی اُس کا کام ہے کہ وُہ اگلی چوکی تک گھوڑے کو روکتا نہیں تھا اگلی چوکی والے آتا ہُوا گھوڑا دیکھ کر سوار کو گھوڑے پہ بٹھا دیا کرتے تھے اُنہیں اس سے غرض نہیں تھی کہ اُس کے پاس ہے وُہ پیغام وُہ اتر جاتا اور وُہ دوڑا دیتا گھوڑا۔ تو امیر کے ہاتھ سے نکل کر مرکز تک پہنچنے میں اس پیغام کو صرف اتنی دیر لگتی تھی جیسے وہاں سے گھوڑا دوڑا ہو اور ہزاروں میل دُور پہنچ گیا ہو اور ہزاروں میل کی ڈاک ایک دِن میں مرکز پہنچ جاتی تھی۔ اور عین میدانِ جنگ میں مرکز سے پیغام منگوالیا کرتے تھے۔ فارس اور رُوم اور ایران کے ملکوں میں لڑنے والے مجاہد ایک ایک دِن میں اپنے پیغامات منگوا لیا کرتے تھے مرکز سے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ ہندوستان تک مرکز کی ڈاک آتی اور جاتی تھی گھوڑوں کی پیٹھ پہ۔ یہ کوئی کمزور قسم کی مُسلمانی ہے کہ آپ کو ریڈیو چلانا بھی نہیں آتا یہ جو کچھ دُنیا میں ہے یہ سارا ایک انسان کی خدمت کے لیے ہے اور مسلمان صرف انسان ہے بلکہ حقیقی انسان ہے جس میں نورِ ایمان نہیں ہے وُہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔
اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ چرپایہ ہے بوجھ ہے اللہ کی کی زمین پر اور جانور ہے جانوروں سے بدتر ہے اور اگر انسان ہی اپنا منصب، اپنی جگہ چھوڑ دے یہ پتہ ہے کیوں ہوتا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ یہ سمجھتا ہے کہ جب میں نماز پڑھ لیتا ہوں تو یہی مُسلمانی ہے یہ مسلمانی کمزور ہے۔ مزا جب آئے گا کہ جب زمین پر سجدہ کرنے والا نماز سے فارغ ہو کر جیٹ اُڑا رہا ہو گا مزا تب آئے گا کہ جب آپ سجدے سے فارغ ہو کر دُنیا کی جدید مشینری نہ صرف بنا رہے ہوں گے بلکہ اُسے درست کر رہے ہوں گے مرمت کر رہے ہوں گے استعمال کر رہے ہوں گے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں۔ کہ جن چیزوں کو جن مشینوں کو کافر استعمال کر سکتا ہے انہیں مومن کیوں استعمال نہیں کر سکتا۔ حالانکہ کافر کا جو ذہنی لیول ہے اُس کی جو ذہنی سطح ہے وُہ مومن سے بیسیوں درجے نیچے ہے اس لیے کہ نورِ ایمان نہ صرف دِل کو روشن کرتا ہے دماغ کو بھی جلا بخشتا ہے اور جو بات آپ ایک مُسلمان کو ایک جملے میں سمجھا سکتے ہیں ایک کافر کو سمجھانے کے لیے آپ کو ایک ورق پڑھنا پڑے گا۔ میں نے رُوئے زمین پر پھر کر تجربہ کیا ہے جسے ایمان نصیب نہیں ہے اُسے بات سمجھانے کے لیے دس دفعہ اُس بات کو دُہرانا پڑے گا۔ تو پھر یہ چیزیں کیوں استعمال نہیں کر سکتے یہ اس لیے کہ ہم اس طرف توجہ نہیں دیتے کسی بھی چیز کا استعمال از خُود تو نہیں آئے گا دُوسری بات اور ضروری بات یہ ہے۔

کہ کسی چیز کے وجُود میں جب تک اللہ کی طرف سے کسی چیز کی حرمت نہ آ جائے جیسے خنزیر، وُہ اصل میں حرام ہے اس کی اصل میں حرمت ہے اب وُہ کسی شیپ میں جائے گا۔ حرام ہو گا اس کا چمڑہ حرام ہو گا۔ ہڈیاں حرام ہوں گی۔ قیمت حرام ہو گی۔ کسی بھی شکل میں جائے حرام ہو گا۔ لیکن تلوار ہے یا بندوق ہے یا اسلحہ ہے اُس کے وجُود میں حرمت نہیں ہے اُسے آپ جہاد پر بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اُس سے لوگ ڈاکہ بھی کریں گے ظلم بھی کریں گے۔ قتل بھی کریں گے تو اُس کی حرمت اُس کے استعمال میں چلی گئی کہ کونسی جگہ پر آپ اُسے استعمال کر رہے ہیں اب اگر کافر جدید مشینیں بنا کر اُس سے بے حیائی اور کفر کو پھیلا سکتا ہے تو آپ اُن جدید مشینوں کو یوٹیلائز کر کے اُس سے متبادل نیک اور خوبصورت راستہ کیوں نہیں بتلا سکتے۔ جس مشین کو کافر استعمال کر کے اپنے کافرانہ نظریات، کا پرچار کرتا ہے اپنے فاسقانہ کردار کا پرچار کرتا ہے اپنے ظالمانہ کرتوت جو ہیں اُن کو لوگوں کے ذہنوں تک لوگوں کی نگاہوں تک پہنچاتا ہے آپ اُس سے بہتر طریقے پر متبادل راستہ کیوں نہیں پہنچا

سکتے۔ آج کی ایجادات کے دور میں اگر آپ چاہیں کہ آپ ان ایجادات کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں تو کیا آپ ایسا کر سکیں گے ؟ کیا آپ رُوئے زمین سے جدید ایجادات کو چھین سکیں گے ؟ اگر نہیں چھین سکتے۔ تو آپ اس میدان کو خالی چھوڑ دیں اس زمانے میں آپ سے ٹیپ نہیں چلتا، جس زمانے میں کافر راکٹ اُڑا رہا ہے وُہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے آدمی چاند پر مجھ سے بات کر رہے ہیں۔ آپ زمین پر پڑے ہوئے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن آن نہیں کر سکتے! کیا مسلمانی ہے یہ! اور اسلام کو کیا فائدہ دیں گے ہم اور کیا خدمت ہوگی ہم سے اسلام کی۔ کیا اس حال میں ہم مسلمانی اور اسلام کے لیے بوجھ نہیں بن رہے؟ نالائق ہونا نیکی نہیں ہے باتوں کو نہ سمجھنا پارسائی نہیں ہے۔ کام نہ کر سکنا۔ کوئی زہد نہیں ہے نیکی پارسائی اور زہد اس بات میں ہے کہ آپ ہر کام کر سکتے ہوں لیکن آپ کی اہلیت کبھی بُرائی کی طرف نہ جائے آپ ہر کام نیکی کے لیے کریں۔ ایک آدمی کی آپ آنکھیں ہی نکال دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ بڑا باحیا ہے کسی کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھتا۔ تو اس کے پاس نگاہ ہے ہی نہیں۔ اُٹھا کر کسے دیکھے گا۔ اپنے دل میں، وجود میں نگاہ پیدا کر د۔ اور پھر مزا تب ہے۔ کہ وُہ نگاہ کسی بے حیائی کی طرف نہ اُٹھے۔ آپ کے پاس طاقت نہیں، آپ دیوار پکڑ کر چلتے ہیں، اور کہتے ہیں۔ میں کسی کو چھیڑتا نہیں۔ میں کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔ آپ تو خود دیوار کے سہارے چل رہے ہیں زیادتی کیا کریں گے ؟ اپنے میں طاقت پیدا کریں آپ گزریں تو پتہ چلے کہ کوئی شخص گزر رہا ہے لیکن ہر شخص کو معلوم ہو اور اُسے اعتماد ہو کہ یہ شخص زیادتی نہیں کرے گا۔

جدید دَور سے پیچھے رہ جانا مسلمانی نہیں ہے ہم ان مادی معاملات میں پیچھے رہ گئے ہیں اُس کا نقصان یہ ہے کہ کافروں کو چھوڑیئے آپ کے مسلمان حکمران پوچھتے ہیں کہ سود بند کرنے کو کہتے ہو تو متبادل نظام دو۔ اور مسلمان سکالر متبادل نظام نہیں دے سکتے نہیں دے رہے، دینے سے قاصر ہیں۔ لڑ رہے ہیں اُس پر ہم کہتے ہیں۔ اسلام نافذ کر د۔ کونسا اسلام نافذ کریں۔ یہ اسلام جس پر ہم خود عمل ہی نہیں کرتے حکومت کیوں نافذ کرے گی۔ کیا ہم نے اپنے اس چھ فٹ کی باڈی سٹرکچر پر اُسے نافذ کر دیا ہے تو جو شخص اس چھ فٹ کے ٹکڑے پر اسلام نافذ نہیں کر سکتا وُہ ایک ملک پر نفاذ کی طلب کیوں کرتا ہے ؟ اُس کی دعوت کیوں دیتا ہے ؟ اُن پر اعتراض کیوں کرتا ہے ؟ ہم کہتے ہیں اسلام نافذ کرو۔ لیکن ہمارے ہاں شادی ہوتی ہے تو اس میں اسلامی طریقہ نہیں ہوتا۔ کوئی مرجاتا ہے تو اسلامی طریقے سے دفن کرنے سے گریز کرتے ہیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح سے تو ہتک ہوگی۔ یہ جو رواجات ہیں ان میں بڑی عزت ہے ہماری ذات کے لیے عزت رواج میں ہے اور حکمران کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ تیری عظمت سُنت میں ہے بھلا ہماری دعوت کو کیوں سُنے گا۔ لیکن اس سب کی وجہ کیا ہے ؟ کیوں یہ تبدیلی نہیں ہوتی ؟ اس لیے نہیں ہوتی کہ ہم نے ایک غلط فہمی اختیار کر لی ہے اور ہم اس بات میں پڑ گئے ہیں کہ شاید صرف عبادت کرنا ہی دین ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جوتا گانٹھنے تک کپڑا ٹانکنے تک کا کام خود کر لیا کرتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں کبھی ایک ہی بار کیا ہو۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے تھے۔ کر لیتے تھے۔ سبزی کاٹنے سے لیکر کھانا پکانے تک اور بازار سے سودا لانے تک ازواج مطہرات کی مدد فرما لیا کرتے تھے اور عین اسی وقت پوری دُنیا کی حکومتوں سے مقابلہ فرماتے ہوئے، جہاد فرماتے ہوئے تمام باطل نظاموں کو مٹا کر ان کی جگہ ایک خوبصورت انسانی معاشی، معاشرتی اور سیاسی نظام بھی نافذ فرما رہے تھے جنہیں ایمان نصیب ہوا۔ وُہ تو خوش نصیب تھے ہی جنہیں ایمان نصیب نہیں ہوا انہوں نے بھی اس نظام کے سائے میں پناہ لی اور ملکوں کے ملک اسلام کے زیر نگیں ہو چلے گئے ایسا سسٹم تھا۔

اسی برصغیر کی آپ تاریخ دیکھ لیں تو یقیناً آپ کو پتہ چلے گا کہ وُہ چند ہزار نفوس جو محمد بن قاسم لیکر وارد ہوا تھا گوادر کی سرزمین

اُس کے بعد اس نے پیچھے سے فوج نہیں منگوائی اُسے ضرورت ہی نہیں پڑی یہ سارا ملک مسخر کرنے کے لیے۔ یہاں کے رہنے والے لوگوں نے کہا کہ زندہ رہنے کے لیے نظام تو یہ ہے ہم تو خواہ مخواہ یہاں ذلیل ہو رہے ہیں۔ یہ لوگ جو ان کا رہن سہن ہے جو ان کا نظام ہے۔ جو ان کا لین دین ہے جو ان کا طریقہ ہے آرام تو اس میں ہے، یہیں سے سارے لوگ اُس انقلاب کے ساتھی بنتے گئے کہ یہ ہم اپنے ملک میں لائیں گے اور ہم بھی سکون سے رہیں گے وہ کون سا نظام تھا؟ کس نے دیا تھا؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ وہ وہی نظام تھا جسے خلفائے راشدین نے عملی تعبیر میں رُوئے زمین پر روشناس کرایا اور انہوں نے اخذ کیا تھا۔ آقائے نامدار سے اگر وہ بھی خدانخواستہ ہماری طرح کے مسلمان ہوتے اُنہیں تلوار اُلٹی سیدھی طرح سے پکڑنے کا طریقہ نہ آتا اُنہیں گھوڑے پر زین کسنا نہ آتی، اُنہیں کسی سے بات کرنے کا سلیقہ نہ آتا، کوئی شہر فتح کرتے تو وہاں لوگوں کے مسائل کا کوئی حل نہ ہوتا تو کون اُن کی بات سُنتا اور کون اُن کے ساتھ چلتا اور کون اُن کے ساتھ ایمان لاتا؟ کیا یہ ممکن تھا کہ جو انقلاب اسلامی رُونما ہوا اگر وہ ان باتوں میں ماہر نہ ہوتے تو کیا وہ تلوار کے زور پر ساری دُنیا سے بات منوا لیتے؟ ہرگز نہیں۔ ماحول اور معاشرے سے بات منوانے کے لیے متبادل راستہ دینا پڑتا اور وہ متبادل راستہ پہلے سے زیادہ پرسکون پرلطف اور پُرامن ہونا چاہیے تھا۔

اسلام اپنی گود میں پھول ہی پھول رکھتا ہے جتنی محبتیں جتنی شفقتیں جتنی راحتیں اسلام میں ہیں دُنیا کے کسی نظام میں نہیں ہیں ہمارا تو دین ہے لیکن جو لوگ مسلمان نہیں ہیں۔ اُنہیں بھی ماننا پڑتا ہے کہ اسلام محبتوں کا مذہب ہے۔ آپ اسلام کی محبت کو دیکھیں رُوئے زمین پہ سے اسلام نے جنگ ختم کر دی اور جنگ کا فلسفہ ہی ختم کر دیا ایک نیا فلسفہ دیا انسانیت کو "جہاد"۔ جنگ ہوتی تھی مخالف کو تباہ کرنے کے لیے کچلنے کے لیے آئندہ سر اُٹھانے کے قابل نہ چھوڑنے کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کے لیے خون بہانے کے لیے۔ لوٹ لینے کے لیے۔ اسلام نے روک دیا کہ انسان انسان کو قتل نہ کرے انسان کسی کا مال نہ چھینے انسان کسی کا فصل نہ جلائے، انسان کو دُوسرے انسان کی املاک میں مداخلت کا کوئی حق نہیں تو پھر کیا کرے؟ فرمایا! تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے جہاد مخالف کو نیچا دکھانے کی کوشش نہیں ہے۔ جہاد ایک محنت ہے کہ دُوسرے کو بھی زیادتی کرنے سے روک دیا جائے۔ یہ نہیں ہے کہ اُس قوم کو ہم نے رسوا کرنا ہے اس مُلک کو ہم نے تہ تیغ کرنا ہے اُن کا مال لُوٹنا ہے یا ان کا گھر جلاتے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ جو زیادتی کر رہا ہے اُسے اس کی زیادتی سے روکنا ہے۔ زبان سے رُک جائے ٹھیک ہے تلوار سے رُک جائے جب تک زیادتی کرتا ہے مقابلہ ہوگا اگر وہ زیادتی سے باز آئے تلوار میان میں چلی جائے گی۔ عین میدانِ جنگ میں صدیوں کا کافر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہہ دیتا ہے۔ تو مجاہد کا تلوار سمیت اُٹھا ہُوا ہاتھ نیچے گر جاتا ہے اور وہ بازو اُسے سینے سے لگا لیتے ہیں یہ تصور آپ کو کسی فلسفہ حیات میں نہیں ملے گا۔ پُوری تاریخ انسانی کے اندر سوائے اسلام کے۔ جس نے جنگ کو تبدیل کر کے اُس کی جگہ بھی محبت کے چشمے بہا دیے اُس کی محبتیں کتنی عظیم ہوں گی۔ اسلام ہر شے سے محبت کرتا ہے لیکن ہر چیز اللہ کی تخلیق ہے اور ہر چیز کو استعمال کرنے کا صحیح (اور مناسب اور معقول راستہ بتاتا ہے آپ اگر وہ راستے بند کرنا شروع کر دیں یا آپ ان چیزوں کو سیکھنا چھوڑ دیں۔ آپ آج کے زمانے میں رائفل چلانا نہیں سیکھتے آپ جہاد کیا کریں گے، آج کے زمانے میں آپ ورزش کرنا یا بھاگنا دوڑنا یا یہ پریکٹس نہیں سیکھتے تو آپ جہاد کیا کریں گے۔ آپ جدید ٹیکنالوجی کو نہیں پڑھتے جدید مشینیں چلانا نہیں سیکھتے تو آپ کیا کریں گے؟ ایک دن لالہ مُوسیٰ میں جلسہ تھا۔ وہاں ایک حضرت تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں بھی اتفاقاً سُن رہا تھا۔ بہت بڑا بیان ہو رہا تھا فضیلتِ صحابہ پر اور اس کا ماحصل یہ تھا کہ صحابہ میں

یہ کرامت تھی کہ وُہ جہاں جاتے نعرہ لگاتے "اللہ اکبر" کہا اور کافروں کے قلعے گر جاتے اور کافر بھاگ جاتے۔ میں نے کہا بھائی صاحب ایسا نہیں ہے آپ نے کہیں سے یا سمجھا غلط ہے اور یا پڑھا غلط ہے صحابہ کی تو ہڈیاں اس دین کی بنیادوں میں جذب ہوگئیں اور پانی کی جگہ اُن کا خون لگا۔ جو گارا بھی بنا ہے اُس میں اُن کے گوشت کے ریزے لگے ہوئے ہیں۔ ایک ایک کے سینے پر بعض اوقات ایک ایک وجوُد پر ایک سو بیس زخم نظر آتے ہیں۔ یہ صحابہ کی تاریخ ہے جس میں تلوار، تیر اور نیزے کے متعدد زخم تھے۔ اُن کی تقریر میں بھی جذبہ تھا اللہ کی تائید اُن کے ساتھ تھی لیکن انہوں نے بڑے زخم بھی سہے ہیں آپ یہ بھول جائیں کہ وُہ صرف وظیفہ پڑھتے تھے۔ اور دیواریں گر جاتی تھیں وُہ دیواروں کو گرانا جانتے تھے عملی زندگی میں ہر صحابی اور ہر مجاہد بھرپور طریقے سے باعمل مسلمان ہُوا کرتا تھا انہوں نے حیرت میں ڈال دیا تھا دُنیا کو یہ جنگ کے نئے نئے طریقے کہ کہاں سے آتے ہیں اس طرح سے کبھی کوئی نہیں لڑا۔

ان سے ان سلطنتوں نے جو صدیوں سے چلی آرہی تھیں اُن کے جرنیل بھی انگشت بدنداں رہ جاتے تھے کہ یہ فوج کی ترتیب کیسے کر رہے ہیں۔ رستم نے بہت غصے میں آکر نہایت سخت جملہ کہا جس کا دُہرانا بھی زبان زیب نہیں دیتی۔ لیکن نقل کفر کفر نہ باشد۔ اُس نے کفر بکا اور کفر کو بیان کرنا بات سمجھانے کے لیے کفر نہیں ہوتا وُہ کہنے لگا یہ عمرؓ عجیب انسان ہے عرب کے کتّوں کو اس نے کیسا سُدھا دیا ان کی فارمیشن ہی دیکھو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتی کہ یہ فوج کی ترتیب کیسے بناتے ہیں۔ میدان میں جو یہ ترتیب بناتے ہیں ہم نے آج تک کہیں نہیں دیکھا کہ یہ ترتیب کیسے بناتے ہیں۔ میں نے اس کا جُملہ اس لیے دہرا دیا ہے کہ ہمارے ہاں بڑا معزز نام ہے رستم۔ لوگ بچّوں کا نام بھی رکھتے ہیں اور ہمارے ہاں رستم زماں ایوارڈ بھی دیا جاتا ہے سرکاری سطح پر۔ میں تو یہی بتاتا چلوں کہ رستم کا مسلمانوں اور مسلمان اکابر اور اسلام اور صحابہ کے متعلق کیا نظریہ تھا اور میدانِ جنگ میں صحابہ کے ساتھ لڑتا ہُوا قتل ہُوا تھا۔

"پرویز" نام لوگوں کو اتنا پسند ہے کہ بچیوں تک کا نام رکھتے ہیں صرف بچوں کا نہیں بلکہ بچیوں کا اتنا پسند آگیا ہے انہیں حالانکہ پرویز بھی واحد شخص تھا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ پھاڑا اُس پر تھوکا۔ اُسے پاؤں کے نیچے روند دیا دنیا میں واحد بدبخت پرویز ہے اسقدر توہین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی نے نہیں کی جس قدر اُس نے کی تھی۔ یہ تاریخ کا حصّہ ہے کہ واحد والا نامہ مُبارک پھاڑا اُس پر تھوکا اور پاؤں کے نیچے روند دیا اور نبی کریمؐ نے بدُعا فرمائی یہ بات سُن کر اَللّٰھُمَّ مزق ملکہ کل مُمزّق اللہ اُس کی حکومت کے ایسے ہی ٹکڑے کر دے جس طرح اُس نے میرے خط کے کیے ہیں۔ اور آج کے مسلمانوں کو اُس کا نام اتنا پسند ہے کہ بچوں کا ہی نہیں بچیوں کا نام بھی پرویز رکھتے ہیں۔

رستم نے بہت غصّے میں آکر کہا لیکن یہ بات اُسے ماننا پڑی کہ یہ عرب وُہ جاہل عرب نہیں رہے جو ایسی ٹیکٹیں، ایسے طریقے، ایسے فنون سیکھ گئے ہیں کہ جو قومیں اپنے مہذب ہونے کا دعویٰ رکھتی تھیں ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا طریقہ اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ جو صحرا اُن دولاں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عبور کیے تھے۔ آج جدید دَور میں جدید موٹروں پر پانی لاد کر بھی آج کا کوئی جرنیل عبور کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ آج تک دُنیا اس بات پر حیران ہے کہ یہ اتنا تین تین چار چار سو میل ریگزار کا سفر، جو آگ کی طرح گرم ہو جاتا ہے اور جس میں کسی کے زندہ رہنے کا امکان نہیں۔ گاڑیوں کے ٹائر پھٹ جاتے ہیں جو مہم جو شخص گزرتے ہیں۔ ان صحراؤں سے اُن کی گاڑی میں چار ٹائر لگے ہوتے ہیں آٹھ چھت پر باندھ کر لے جاتے ہیں اور اس کے باوجوُد پار پہنچنے تک اُن کے پاس ٹائر نہیں رہتے۔ ریتوں پر چل رہی ہوتی ہیں اُن کی گاڑیاں، ریت میں ٹائر جل کر خاک ہو چکے ہوتے ہیں، وہاں ٹائر پنکچر نہیں ہوتے گل کر جھڑ جاتے ہیں۔ لیکن اُن اللہ کے بندوں نے پندرہ پندرہ دِنوں

میں اُن کو عبور کر لیا جبکہ آج کی موٹر پندرہ دنوں میں عبور نہیں کرتی۔

تو میرے بھائی تیری اور میری کمزوری اسلام کی کمزوری بن رہی ہے اس لیے کہ آج کے مسلمان ہم ہیں مسلمان کمزور ہوگا تو اسلام کمزور ہوگا مسلمان کو جدید ٹیکنالوجی نہیں آئے گی تو اسلام کی عزت نہیں بنے گی آپ متبادل نظام پیش کرنے سے قاصر رہیں گے تو آپ کا اسلام کوئی ماننے کا نہیں، آپ کو جس خلوص سے نماز ادا کرنی ہے جس خلوص سے ذکر الٰہی کرنا ہے جس خلوص سے اللہ سے دُعا مانگنی ہے اُسی خلوص سے دُنیاوی علوم بھی سیکھنے ہیں اور جدید ٹیکنالوجی بھی اُسی خلوص سے سیکھنی ہے اور اگر آپ اسلام کی عظمت کے لیے جدید ٹیکنالوجی سیکھیں گے تو وُہ بھی عبادت ہی شمار ہوگی اور یقیناً عبادت اور بہترین عبادت شمار ہوگی۔ فرائض کے بعد نوافل سے اُس کا ثواب زیادہ ہوگا۔ ایک شخص ایک گھنٹہ نوافل پڑھتا ہے اور دُوسرا فرائض سے فارغ ہوکر بجائے نوافل کے جدید ٹیکنالوجی اس نیت سے سیکھ لیں کہ میں اسلام کے لیے اسے استعمال کرسکوں اور کفر اس ٹیکنالوجی کو استعمال کرکے جھپٹ رہا ہے تو میں اس کا راستہ روک سکوں نوافل پڑھنے والے سے اس کو زیادہ ثواب نہ صرف عبادت کا ملے گا۔ اُسے جہاد کا ثواب ملے گا۔ اور اس کو صرف نفلوں کا ملے گا۔

اسلام کو دُنیائے عمل میں منگتا نہ بناؤ۔ کمزور نہ بناؤ۔ بلکہ اسلام کی شان بنو اسلام کی عزت بنو، اسلام کے دست بازو بنو، اسلام کی نگاہ اور اسلام کا ذہن بنو اور کوشش کرو کہیں سے جہاں سے کوئی نیا نظام ہاتھ آئے۔ اُسے سیکھو اور اپناؤ۔

مجھے پتہ چلا ہے کہ امریکہ میں انہوں نے ایک نیا نظامِ تعلیم ایجاد کیا ہے جو ابھی وہ صرف امریکہ میں متعارف کر رہے ہیں اور اُس سے بچے کا ۵.۹ (آئی کیو) اتنا بڑھ جاتا ہے کہ جو بچہ ایک گھنٹہ میں دس لفظ یاد کرتا تھا اور چار اُن میں سے بھول جاتے تھے۔ تو اس طریقے سے چلایا جائے تو ایک گھنٹے میں پچاس لفظ یاد کر لیتا ہے۔ اور بھولتے نہیں ہیں۔ تو میں نے وہیں سے اس کے لیے آرڈر بک کروا دیا۔ کہ ہمیں ہمارے مدرسے کے لیے سپلائی کیا جائے کہ دیکھیں وُہ کیا ہے؟ ہم اس کی سٹڈی کریں گے اُسے دیکھیں گے ہم اپنے لڑکوں پر آزمائیں گے۔ کیوں پیچھے رہ جائیں۔ ہم کسی سے۔ اگر کفرستان میں کافر کا بچہ اس تیزی سے سیکھ سکتا ہے تو ہمارے بچے کیوں نہ اُس تیزی سے سیکھیں! شاید کل ان میں بھی کوئی ایسی چیزیں تیار کرنے والا بچہ پیدا ہو جائے دُنیا میں کمپیوٹر کا نظام رائج ہے ہم اپنی اکیڈمی میں رائج کر رہے ہیں۔ جدید تعلیم ٹیکنالوجی جدید ویپنز اور جدید مشینری کو سمجھو۔ اس کا سمجھنا اگر دین کے لیے ہے نوافل سے زیادہ بڑی عبادت ہے یہ جہاد ہے اور اسی پر مت رہو کہ میں نے اسلام کا حق ادا کر دیا۔

نماز اللہ سے تعلق قائم کرنے کا ذریعہ ہے آپ کی اور میری نماز اسلام کی سربلندی کا سبب نہیں ہے آپ کی اور میری نماز جو ہے میرا اور آپ کا ذاتی تعلق اللہ سے قائم کرنے کا سبب ہے اُس تعلق کا حاصل کیا ہوگا؟ عملی زندگی میں ہم کتنے کامیاب انسان ہیں! ایک آدمی کا اللہ سے تعلق نہیں ہے۔ وُہ کتنا عمل کرتا ہے اور دُوسرے کا تعلق ربِ جلیل سے ہے وُہ عملی زندگی میں کتنا کامیاب ہے اللہ کرے کہ نمازی بے نماز سے زیادہ کام کرنے والا ہو اور ہر مومن کافر سے زیادہ ٹیکنالوجی جاننے والا ہو۔ آپ اندازہ کیجئے۔ بدر میں قید ہو کر آئے۔ بدترین دشمن مسلمانوں کے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی بدترین دشمن، اور وُہ لوگ جو اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے جنہوں نے فدیہ دیا چلے گئے جن کے پاس فدیہ نہیں تھا کچھ نہیں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں، وہی اُس کا فدیہ ہے اُسے آزاد کر دو۔ اندازہ کرو۔ حال کیا ہے کہ ایک ایک کافر کی گردن ماری جائے تو کچھ بوجھ تو کم ہو۔ اہلِ مکہ پُورے عرب کو تیار کر رہے ہیں۔ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ خطرہ مول لیا جا سکتا ہے لیکن بچوں کو علم سے بے بہرہ نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ اگر یہ کافر بھی دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے تو اسے آزاد کر دو۔ یہ بہترین فدیہ ہے۔ اپنے بچوں کو

جدید علوم سکھاؤ۔ کہ یہ دنیا کا مقابلہ کر سکیں۔ اگر اس نازک حالت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے تو پھر ہمیں علوم سیکھنے سے کونسی بات مانع ہے۔ یہ ہمارا نہ سیکھنا صرف ہمیں پیچھے نہیں چھوڑ رہا پورے اسلام کو پیچھے چھوڑ رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ دُنیا میں دو سو کروڑ مسلمان کافروں کے دست نگر ہیں اور ایسی عجیب بات ہے مجبوری بن گئی ہے۔

ہم جو چیز یہاں بناتے ہیں اُسے ہم خریدتے ہیں تو ہمارا اپنا دل کانپ اُٹھتا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے جو کافر بناتا ہے وُہ جب خریدتے ہیں تو وُہ زیادہ صحیح ہوتی ہے۔ زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے کیا عجیب بات نہیں کہ کافر ملک سے دوائی منگواتے ہیں اُس میں اجزأ پورے ہوتے ہیں وہی دوائی اسی کمپنی کی یہاں سے خریدتے ہیں۔ جو مسلمان بناتا ہے اُس میں اجزأ پورے نہیں ہوتے۔ یار خُدا کا خوف کرو۔ یہ اسلام ہے؟ یہ مسلمانی ہے؟ اب آپ کہیں گے جی یہ تو وُہ کرتے ہیں جو ذکر نہیں کرتے، نمازیں نہیں پڑھتے تو جو ذکر کرتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں وُہ یہ کام کیوں نہیں کرتے کہ بے دینوں کو نہ کرنے دیا جائے۔ آپ کہتے ہیں جی یہ جو ڈرائیور ہیں یہ بڑے بدمعاش ہیں۔ یہ نماز کے وقت گاڑی نہیں روکتے تو آپ کیوں ڈرائیونگ نہیں کرتے جو نمازی ہیں۔ آپ نمازیں بھی پڑھیں روزے بھی رکھیں۔ ڈرائیونگ سیکھیں اور پرائیویٹ بسیں چلائیں۔ جہاں نماز کا وقت ہو گاڑی روکیں خود بھی پڑھیں لوگوں کو بھی کہیں نماز کا وقت ہے یہاں پانی بھی ہے۔ جگہ بھی ہے۔ میں نماز پڑھنے چلا ہوں آپ بھی پڑھ لیں عملی زندگی میں آپ سے ٹانگہ تک نہیں چلایا جاتا اور کہتے ہیں کوچوان بڑا بدمعاش ہے تو نیک کوچوان بنتے کیوں نہیں آپ؟ آپ بروں کو ریپلیس REPLACE کریں گے تو نیکی آئے گی اگر آپ ٹانگہ بھی نہیں چلائیں گے، آپ ٹرک بھی نہیں چلائیں گے۔ آپ بس بھی نہیں چلائیں گے۔ آپ جہاز بھی نہیں اُڑائیں گے، تو وہاں نیک فرشتے کہاں سے آئیں گے؟ آپ یہ ساری باتیں سیکھیے، آپ یہ سارے کام سیکھیے، اپنے بچوں کو سکھائیے اور انہیں مسلمان بنا کر عملی دُنیا میں بھیجیے ہماری مصیبت یہ ہے کہ جو بندہ بچوں کو ٹیکنالوجی پڑھاتا ہے وُہ دین نہیں پڑھاتا۔ وُہ انجینئر بن جاتا ہے مسلمان نہیں بنتا پھر صاحب انجینئر ہوتے ہیں اور جو اسلام پڑھاتا ہے وُہ انہیں اُس طرف نہیں جانے دیتا۔ کہتا ہے یہ تو کافروں کا کام ہے، وُہ کافر اس پر حکومت کرتے ہیں وُہ ساری عمر بیٹھا اُن کا مُنہ دیکھتا رہتا ہے۔

تو خدا کے لیے خود کو سنبھالو۔ تم انسانیت کا بہت بڑا سرمایہ ہو اگر مسلمان نہیں سنبھلے گا تو انسانیت کے پاس سنبھلنے کا کوئی موقع نہیں۔ کیونکہ مسلمان صرف ساری انسانیت کو سنبھالنے کی اہلیت رکھتا ہے كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم ہی بہترین قوم ہو تمہیں انسانیت کو سنبھالنے کے لیے پیدا فرمایا گیا ہے لوگوں کی رہنمائی لوگوں کا سکون لوگوں کا امن اور لوگوں کو عدل کی جو ضرورت ہے وُہ آپ کی محتاج ہے اور آپ انگوٹھا لگانے پہ مُصر ہیں۔ نام لکھنا بھی نہیں سیکھنا چاہتے یہ کیا تماشہ ہے؟ کیا یہ اپنے فرض سے کوتاہی نہیں ہے؟ انقلابات زبانوں سے نہیں آتے اور مثبت انقلاب جتنا مشکل کام ہی کوئی نہیں ہے۔ تخریب مشکل نہیں ہے۔ فساد پھیلانا کوئی مشکل نہیں ہے جوشیلی تقریر کرکے لوگوں کو اسلحہ پکڑا دو۔ لوگوں کو کہو، بینک لوٹ لو، یہ حلال ہے اس کا مال چھین لو یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔ خوارج نے کیوں طاقت پکڑی تھی؟ خوارج کے پاس صرف ایک طاقت تھی وُہ کہتے تھے تمام لوگوں کا مال لوٹنا حلال ہے ان کی عورتیں پکڑ لینا حلال ہے ان کو قتل کر دینا حلال ہے، سارے بدمعاش اُن کے ساتھ مل جاتے تھے کہ لوٹ مار مچاؤ پیسہ بھی حلال۔ لوگوں کی عورتیں پکڑ لو وُہ بھی حلال۔ اُن کی فوج خواہ مخواہ بنتی رہتی تھی تخریب مشکل نہیں ہوتی لیکن تعمیر کے لیے اور مثبت انقلاب کے لیے ہڈیاں گل جاتی ہیں کام کرنے والے کی ایک ایک آدمی کو سکھانا پڑتا ہے۔ ایک ایک چیز سیکھنی پڑتی ہے اور عملاً کرکے بتانا پڑتا ہے۔ کہ کس طرف زیادہ سکون ہے زیادہ راحت ہے۔ یہ کام اس طریقے سے کیا جائے تو زیادہ فائدہ دیتا ہے۔ تب لوگ اس طرف متوجہ ہوتے ہیں اور تب کوئی مثبت انقلاب آنے کی امید کی جا سکتی ہے۔

اسلام

دین اور دُنیا

مولانا محمد اکرم اعوان

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

رب العالمین کے ساتھ ایمان اور اسلام ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے اسلام زندگی گزارنے کے اُن طریقوں کا نام ہے جو عظمتِ باری اور اتباعِ رسالتؐ سے بنیاد رکھتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ کی اس وسیع کائنات میں رب کریم کی بے حساب نعمتوں کو اُس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استعمال کرنا اسلام ہے۔ اسلام فطری مذہب ہے اور اس کی یہ تعبیر صحیح نہیں ہے۔ کہ اسلام کام کرنے سے منع کرتا ہے یا اسلام گھر بسانے سے روکتا ہے۔ یا اسلام شادی کرنے سے روکتا ہے یا اسلام اچھا کھانے سے منع کرتا ہے یا اچھا پہننے سے روکتا ہے یہ ساری باتیں غلط ہیں۔ ہاں اسلام حقوق اور فرائض کا تعین کرتا ہے۔ کس آدمی کا حق کیا ہے اور اُس کے فرائض کیا ہیں۔ اُس کے ذمے کیا ہے۔ پھر فرائض کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ وہ فرائض جو اللہ جل شانہٗ کی اطاعت اور ادائے شکر کے لیے اللہ کی طرف سے فرض کیے گئے۔ وہ فرائض جو اللہ کی مخلوق میں رہتے بستے ہوئے اللہ کی مخلوق کے حقوق ہم پر فرض کیے گئے۔ والدین کی اطاعت، بھائیوں، بہنوں، رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات، بیوی بچوں کی پرورش، اسی طرح رزقِ حلال کی تلاش اور اُس کے لیے محنت کرنا فرضِ عین ہے۔ جس طرح حقوق اللہ میں نماز فرضِ عین ہے اُسی طرح اللہ کی زمین پر رہنے بسنے کے لیے وہ جائز وسائل اختیار کرنا جن سے بغیر کسی کی احتیاج کے اللہ کریم کا رزق اللہ کریم کی بارگاہ سے حاصل کیا جائے۔

اسلام نے کام چھوڑنے کا حکم نہیں دیا بلکہ جو لوگ فطری طور پر معذور ہوں، جو لوگ تخلیقی طور پر، بیماری کی وجہ سے یا کسی عضو کی کمی کی وجہ سے محتاج ہوں، کما کر اُن محتاجوں کو بھی کھلانا فرض کیا ہے۔ اسلام نے اللہ کی اِس زمین کو آباد کرنے کا حکم دیا ہے۔ انسانی معاشرے کو بہترین طریقے پر استوار کرنے کا حکم دیا ہے۔ انسانوں کے ساتھ انسانوں کے تعلقات کو شرعی بنیاد پر اور اللہ کے حکم کے مطابق استوار فرمایا ہے حتیٰ کہ اسلام نے دوستی کے ساتھ ساتھ دشمنی کی حدود بھی مقرر فرما دی ہیں کہ کہاں تک اور کس حد تک آپ کس فرد کے ساتھ دشمنی میں جا سکتے ہیں۔ اِسی طرح اسلام کا معاشی نظام واحد نظام ہے جس میں کمانے کے ساتھ ساتھ ایک ایک پائی کو خرچ کرنے کا سلیقہ اور طریقہ بھی سکھایا ہے ورنہ دُنیا کے سارے معاشی نظام جو ہیں وہ کمانے کے طریقے مقرر کرتے ہیں پھر اُس میں سے حکومت اور حکمران کا یا ملک کا ٹیکس وصول کرتے ہیں اور اُس کے بعد باقی اُس آدمی پر چھوڑ دیتے ہیں اُسے جہاں چاہے خرچ کرے۔ لیکن اسلام نے اُسے یہاں بھی تنہا نہیں چھوڑا اور مسلمان کی دست گیری فرمائی ہے، ایک ایک پائی کو خرچ کرنے کے لیے اسلام نے بندے کو اپنے رب کے

اتنا قریب کر دیا ہے کہ سونے جاگنے، اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے تک تمام کاموں کو رب العلمین کے نام نامی کے ساتھ اُس کی اجازت کے ساتھ مربوط کر دیا ہے۔ مسلمان کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا ایسا کام نہیں ہے جس میں وہ اللہ کا نام نہ لیتا ہو یا جس کے کرنے کا انداز اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھتا نہ ہو۔ زندگی کا ہر زندگی کی حرکت، پُر سکون، ہر آن، اُسے رب العلمین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے ساتھ مربوط رکھتا ہے۔ زندگی کے جس کام میں بھی انقطاع آئے گا۔ وہاں سے سمجھ لیں کہ اُس شخص نے رب العالمین کے ساتھ تعلق توڑ لیا لیکن اس میں بنیادی ایک فلسفہ ہے۔ کام تو یہ سارے وہ شخص بھی کرتا ہے جو اللہ کو نہیں مانتا۔ کام یہ سارے وہ شخص بھی کرتا ہے جو ایمان نہیں گھر بساتا ہے، بیوی بچے پالتا ہے، دولت کماتا ہے، سارے کام کرتا ہے دُنیا کے، سوائے عبادتِ الٰہی کے، تو مومن اور کافر میں فرق کیا ہے۔ کام کرتا ہے اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے۔ کافر کام کرتا ہے اپنی پسند کو پورا کرنے کے لیے، کافر کام کرتا ہے اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے اور مومن کام کرتا ہے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے، کام وہی ہے۔ اب ظاہر ہے جو شخص محض اپنی تسکین چاہتا ہے وہ اپنی پسند کے مطابق کرے گا۔ اُس کا طریقہ خود سوچے گا۔ خود اُس پر بحث کرے گا۔ جیسے اُسے پسند ہو گا کرے گا لیکن جب وہ دوسرا خوش نصیب جسے اللہ کے ساتھ ایمان حاصل ہے اللہ کو راضی کرنے کے لیے وہی کام کرے گا۔ تو یقیناً اُس کام کے کرنے کا طریقہ اللہ ہی سے سیکھے گا۔ چونکہ مقصد رضائے الٰہی ہے۔ وہ سوئے تو اللہ کریم سے اجازت لے کر، نیند آ رہی ہے۔ اللہ کریم کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ الصلوٰۃ خیرٌ من النوم۔ بستر جھٹک کر کھڑا ہوتا ہے۔ کیوں ہوتا ہے؟ کیوں اپنی نیند چھوڑ دیتا ہے؟ سردی ہے گرم پانی نہیں ہے، ٹھنڈے سے وضو کر رہا ہے کیوں کرے آخر؟ اس کیوں کا جواب ایک رشتہ ہے ایک تعلق ہے رب جلیل کے ساتھ۔ ایک نسبت ہے جسے ایمان کہا جاتا ہے

اب ہم اس ایمان کا تعین کرنا چاہیں کہ ایمان ہوتا کیا ہے؟ کیسے سمجھ آئے گی کہ ایمان ہوتا کیا ہے۔ یہ ایک کیفیت ہے، ایک حالت ہے اور کیفیات کو ناپا نہیں جاتا، تولا نہیں جاتا۔ لیکن کیفیات سے اثرات ہوتے ہیں جیسے بھوک کا اندازہ کسی شخص کے کھانے پینے پر لپکنے کی بے تابی سے ہوتا ہے کہ یہ بڑا بھوکا ہے۔ پانی کی طرف لپکنے سے یا ہونٹوں کی خشکی بتاتی ہے کہ یہ آدمی بڑا پیاسا ہے۔ کسی کے گلے پڑنے کو دوڑتا ہو، سمجھ آتی ہے یہ آدمی غصے میں ہے۔ کوئی میٹھا کھلکھلا رہا ہو سمجھ آتی ہے یہ آدمی خوش ہے ورنہ خوشی غصہ بھوک پیاس اُس کی ہمارے پاس کوئی شناخت نہیں ہے کوئی اِن کا رنگ نہیں ہے۔ اس سے وہ جو حال وارد ہوتا ہے اُس سے پتہ چلتا ہے اُس کو بیان فرما دیا۔ فرمایا، وَالَّذِينَ آمَنُوا جنہیں اللہ سے ایمان نصیب ہوتا ہے۔ اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ۔ وہ ساری کائنات میں سب سے بڑھ کر محبت صرف اللہ سے کرتے ہیں یعنی ایمان کی تعین یہ ہے۔ ایمان کا پتہ اس بات سے چلتا ہے اور یہ بھی منع نہیں فرمایا کہ کسی چیز سے، کسی کام سے، کسی فرد سے، محبت نہیں کرتے، بیویوں سے محبت نہیں کرتے، یا مال و دولت سے محبت نہیں کرتے یا اپنے کھانے پینے سے محبت نہیں کرتے۔ ہر چیز اُنہیں محبوب ہوتی ہے۔ بالکل عام انسانوں کی طرح۔ چونکہ مومن بھی انسان ہوتا ہے اُس کی انسانی ضرورتیں ہوتی ہیں۔ اُسے آرام بھی محبوب ہوتا ہے، دولت بھی محبوب ہوتی ہے، بیوی بچے بھی محبوب ہوتے ہیں، بہن بھائیوں سے بھی پیار ہوتا ہے، گھر بار بھی پیارا لگتا ہے، لیکن جب اللہ کا نام آتا ہے تو وہ یہ ساری چیزیں قربان کر سکتا ہے۔ اللہ کی اطاعت کو نہیں چھوڑ سکتا۔ دولت کی محبت اُسے اللہ کی نافرمانی پر نہیں اُکسا سکتی۔ اللہ کی محبت دولت پر غالب آ جاتی ہے۔ جو اللہ کے حکم کے بغیر یا اللہ کے حکم توڑ کر دولت کی طرف نہیں لپکتا اُسے بھی دولت عزیز ہے لیکن اللہ سے محبت دولت سے شدید تر ہے۔ اب یہ عجیب بات کہ کوئی اللہ سے اتنی محبت کرے کہ ساری محبتوں

پہ غالب آجائے۔ قرآنِ حکیم نے دوسری محبتوں سے روکا نہیں ہے بلکہ دوسری محبتیں ہی اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ کی محبت اُن سب پہ غالب ہے۔ اگر کسی کے بیوی بچے ہی نہیں ہیں تو اُسے کیا خبر کہ بچوں کو بھوکا رکھا جا سکتا ہے لیکن حرام نہیں کھلایا جا سکتا۔ اگر ایک آدمی کام کاج ہی نہیں کرتا اُسے کیا خبر کہ نقصان برداشت کرنا لیکن بددیانتی برداشت نہیں کرنا۔ پیسے کا نقصان، دولت کا نقصان ہو گا اور بددیانتی سے ایمان اور اللہ کے ساتھ تعلق میں نقصان آئے گا۔ وہ کسی سے ملتا ملاتا ہی نہیں اُس کے سچا جھوٹا ہونے کی دلیل کیا ہے یہ سارے کاروبارِ حیات انجام دیتا ہے اور انہی اُمور پر اس بات کی پہچان ہوتی ہے کہ اِسے اللہ سے کتنی محبت ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے محبت کرے کیوں کر؟ وہ اللہ کو دیکھ نہیں سکتا، اللہ کو چھو نہیں سکتا، اللہ کی کوئی مثال بیان نہیں کر سکتا کوئی رنگ بیان نہیں کر سکتا تو محبت بغیر دیکھے، بغیر محسوس کئے، بغیر سمجھے، بغیر جانے، کیسے محبت کرے۔ یہ انجانا رشتہ بندوں کا رب کے ساتھ پیوست کرنا، یہ منصب ہے نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ آپ ساری تاریخ پڑھ جایئے۔ ساری سیرت پڑھ جایئے، سارا قرآنِ حکیم پڑھ جایئے تو کوئی نبی علیہ السلام کی بعثت کے پیچھے جو وجہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ بندوں کو اُن کے مالک کے ساتھ ایسا ملائے کہ اُنہیں اللہ سے محبت اور بڑھ کر عشق ہو جائے۔

اب یہ کام نبی علیہ السلام کیسے کرتا ہے۔ نبی علیہ السلام کو تو دیکھا بھی جا سکتا ہے۔ کہ وہ بھی بنی آدم میں سے ہوتا ہے انسان ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وسلم کو چھوا جا سکتا ہے۔ محسوس کیا جا سکتا ہے بات کی جا سکتی ہے چونکہ انبیاء عالمِ انسانیت میں سے مبعوث ہوتے ہیں تو نبی علیہ السلام کے ساتھ جو آدمی مانوس ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام کا تعلق جو ہے وہ ایک کیفیت پیدا کر دیتا ہے آدمی کے اندر جس میں وہ دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن وہ اللہ کو دیکھتا ہے جس میں وہ چھو نہیں سکتا لیکن وہ چھوتا ہے وہ سمجھ نہیں سکتا۔ لیکن وہ سمجھتا ہے۔ آپ اگر اُن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھیں جو ابتدائے اسلام میں ایمان لائے۔ جب نماز فرض نہیں تھی۔ روزہ فرض نہیں تھا۔ عبادات کا نام و نشان نہیں تھا۔ صرف اتنی سی بات اسلام تھی۔

قولوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ تفلحون۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ یہ دو جملے سارا اسلام تھا۔ لیکن اِس اسلام نے اور اِن دو جملوں نے اُنہیں اللہ کریم کے اتنے قریب کر دیا کہ کتنوں کو کفار نے بے پناہ اذیتیں دیں کہ کہہ دو کہ ہم اللہ کو نہیں مانتے تو وہ کہتے تھے کہ جب سے ہی ایک تو ہم کیسے کہہ دیں نہیں مانتے۔ دیکھ تو وہ بھی نہیں رہے تھے۔ لیکن وہ محسوس کر بھی رہے تھے وہ نہیں کہتے تھے کہ ہم اللہ کو چھوتے ہیں وہ نہیں کہتے تھے کہ ہم اللہ کو دیکھتے ہیں لیکن وہ کہتے تھے کہ ہے ہی ایک گویا وہ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ہے ہی ایک گویا اور ایسا ہے ہی۔

یہ ایک ایسی حالت ہے کہ جس کا آدمی زبانی دعویٰ بھی نہیں کر سکتا اور ایسی حالت کہ جس پر وہ جان بھی قربان کر دیتا ہے اتنی مضبوطی سے عمل کرتا ہے یہ حالت جب پیدا ہوتی ہے۔ تو یہ ہے نبی علیہ السلام کی برکات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ۔ کہ کسی اَن دیکھی ہستی سے، کسی غیر محسوس ہستی سے کسی ایسی ہستی سے جو انسان کے شعور سے بالاتر ہو جسے آدمی سوچ بھی نہ سکے۔ اُس کے اتنا قریب کر دے کہ نہ دیکھتے ہوئے بھی اُسے دیکھ رہا ہو۔ یہ کیفیت پہلے آتی ہے اور عبادات بعد میں آتی ہیں اور اگر یہ کیفیت نصیب نہ ہو تو عبادات جسمانی ورزش کا کام تو دیتی ہیں رُوحانی برکات اُن پر مرتب نہیں ہوتیں۔ یہ میں کہہ نہیں رہا یہ آپ اور میں ہم سب اپنی عملی زندگی کو دیکھیں۔ قرآنِ حکیم نے ایک بڑا خوبصورت جملہ فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ

اِنَّ کے ساتھ مقید کر کے کہ یہ بڑی یقینی بات ہے۔ یہ بڑی پکی اور طے شدہ

بات ہے کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے۔ کتنے نمازی ہیں جو بے حیائی اور برائی سے رُک گئے ہیں کیوں؟ آخر کیوں نہیں رُکتے؟ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں، بازار میں بیٹھ کر جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں، دھوکا بھی دیتے ہیں۔ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں ڈاکے بھی کرتے ہیں۔ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں اغوا بھی کرتے ہیں۔ نماز بھی پڑھتے ہیں۔ اور آپ ایک اٹھنی کا سودا کسی نمازی سے خریدتے ہوئے بھی اعتبار نہیں کرتے کہ یہ صحیح دے رہا ہو۔ کیوں؟ آخر اس لیے کہ وہ نماز نہیں پڑھتے ورزش کرتے ہیں۔ کیونکہ نماز کے ساتھ تو مقید کر دیا رب کریم نے کہ نماز کا یہ حتمی نتیجہ ہے۔ جیسے آپ کی میڈیکل سائنس کہتی ہے کہ بخار ہو تو ٹمپریچر اَپ ہو جاتا ہے تو اب کوئی آدمی کتنا تڑپ رہا ہو اُس کو آپ تھرمامیٹر لگاتے ہیں۔ NINETY EIGHT ہے۔ آپ کہتے ہیں بخار نہیں کچھ اور ہوگا ایک آدمی کہتا ہے مجھے محسوس نہیں ہو رہا میں بھلا چنگا ہوں۔ آپ کا تھرمامیٹر ایک سو ایک بتاتا ہے۔ آپ کہتے ہیں بھلے آدمی تجھے بخار ہے تجھے محسوس ہو یا نہ ہو بخار ہے۔ اس لیے کہ اُسے ماپنے کا آلہ ہے۔ تو صلوٰۃ کے ماپنے کا آلہ بھی رب العالمین نے ساتھ دے دیا کہ صلوٰۃ کا آلہ یہ ہے کہ وہ آدمی بے حیائی سے اور برائی سے رک جاتا ہے۔ اور جب ہم شریعت کے مطابق وقت بھی پہچانتے ہیں وضو کرتے ہیں۔ شریعت کے مطابق مسجد میں با جماعت کھڑے ہو کر رکوع و سجود تک سارا احتیاط کر کے باہر نکلتے ہیں تو نہ بے حیائی سے ڈر لگتا ہے، نہ برائی سے ڈر لگتا ہے تو اس میں فرق کیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہم نے ورزش کی۔ ہم نے عبادت نہیں کی۔ ہم نے ایک رسم پوری کی۔ ہم نے عبادت نہیں کی۔ تو عبادت کے لیے بنیاد کس بات کی ہوگی۔ بنیاد وہی بات ہوگی۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ۔ محبتِ الٰہی میں گرفتار ہو کر جس کی پیشانی جھکے گی وہ پیشانی اُٹھ کر اُسے برائی سے روک دے گی۔ اگر محبتِ الٰہی ہی نصیب نہیں ہے تو ایک رسم ہے

آپ دیکھیں رب کریم نے حج فرض کیا۔ صاحبِ استطاعت پر اور حج اتنی بڑی عبادت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ حاجی حج سے فارغ ہو کر گناہوں سے اس طرح پاک ہوتا ہے جیسے وہ آج کے دن دُنیا میں پیدا ہُوا۔ دوسری دفعہ اللہ نے فرض نہیں کیا۔ کوئی نفل کرے تو کرے باقی ساری زندگی گناہوں سے بچنے کے لیے اُس ایک حج کا تقدس اور پاکیزگی کافی ہے۔ پاکیزگی اور تقدس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اُس کا دل اتنا حساس ہو جاتا ہے کہ پھر وہ گناہ کو برداشت نہیں کرتا۔ اُسے دوبارہ حج پر جانے کی ضرورت اِس لیے نہیں کہ ایک حج اُس کے قلب کو اتنا نرم، اتنا شفاف، اتنا حساس کر دیتا ہے کہ اللہ کی نافرمانی وہ برداشت نہیں کرتا۔ ہم نے کتنے کتنے حج کیے اور ہماری صحت پر کیا اثر پڑا؟ ہمارے اِس ملکِ عزیز کا کم و بیش ہر تیسرا شہری حاجی ہے اور کتنے حاجی ہیں جن کے کردار سے خوفِ خدا نظر آتا ہے؟ اگر صرف حاجی جو اس ملک میں بستے ہیں وہ سیدھے ہو جائیں تو اِس ملک کی تقدیر سنور جائے تو کیوں عملی زندگی میں وہ ناکام ہیں۔ کیوں عملی زندگی میں وہ حاجی بھی ویسے ہی جھوٹ بولتا ہے جیسا غیر حاجی بولتا ہے وہ بھی ویسے ہی بد دیانتی کرتا ہے، ویسے ہی چوری کرتا ہے ویسا ہی سارا کردار ہے اُس کا تو حج پر آنے جانے سے اُس کی صحت پر کیا اثر پڑا۔ کیوں اثر نہیں پڑا؟ اِس لیے کہ ہم ایک رسم پوری کرتے ہیں۔ جو بنیاد ہے وہ ہمیں نصیب نہیں ہوتی۔

ایک دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ تو آپؒ نے ایک واقعہ سنایا۔ فرمانے لگے ایک بزرگ شیخ تھے اُن کا ایک شاگرد تھا وہ کچھ مجذوب سا ہوگیا۔ درمیان میں دریا حائل تھا۔ اُن کے ہاں جو کنیز تھی اُسے آپ فرمانے لگے کہ آج وہ تو نہیں آئے گا اُسے میں نے آنے سے منع کیا ہے۔ تم ایسا کرو کہ دریا پار جا کر اُسے رات کا کھانا دے آؤ۔ رات کی تاریکی تھی، دریا تھا۔ تو وہ کہنے لگی۔ حضرت کھانا دے تو میں آؤں لیکن کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ دریا عبور

کرنے کا۔ آپ ارشاد فرما رہے ہیں پار جاؤ۔ مَیں عورت ذات ہوں تنہا اکیلی جاؤں۔ دریا کیسے پار کروں۔ تو انہوں نے فرمایا دریا کے کنارے کھڑی ہو کر اللہ سے میرا نام لے کر گذارش کرنا۔ یوں دُعا کرنا کہ اے اللہ اُس فلاں شخص کی خاطر جس نے کبھی عورت کی قربت نہیں کی۔ مجھے دریا کے پار پہنچا دے۔ تو بڑی حیران ہوئی وہ تو اُن کی کنیز بھی اُن پر حلال تھی اور اُسے پتہ تھا کہ وہ اُس سے قربت کرتے ہیں مگر یہ کہتے ہیں۔ عجیب بات ہے۔ مَیں تو سمجھی تھی بہت بزرگ ہیں۔ بہت نیک ہیں۔ لیکن اتنا بڑا جھوٹ اور وہ بھی اللہ کے ساتھ۔ تو یہ سب کچھ تو اُس کے دل میں تھا۔ بات تو نہیں کر سکتی تھی لیکن دریا کنارے پہنچی تو اُسے جھوٹ اور سچ سے کیا غرض تھی۔ اُسے تو وہ بات دُہرانی تھی بات کی اور دریا میں اُتر گئی اور آرام سے پار پہنچی۔ اُسے کھانا دیا اُس نے کھا پی کر سارے برتن صاف کر دیے اور پھر اُسے سارا واقعہ سنایا کہ آتے ہوئے تو حضرت نے مجھے دُعا کا حکم دیا تھا۔ مَیں نے دُعا کی اور اِس طرف آ گئی تو اب مَیں واپس کیسے جاؤں اُس نے کہا کہ جاتے ہوئے بھی دُعا ہی کر لینا اللہ سے اور یوں میرا نام لیکر کہہ دینا کہ جو کبھی کچھ نہیں کھاتا اُس کے نام پر مجھے پار پہنچا دے تو وہ بڑی حیران ہوئی کہ ایک سے ایک بڑا جھوٹ۔ ابھی تو تم نے کھا کر یہ سارے برتن خالی کر کے مجھے پکڑا دیے۔ لیکن اللہ کی شان اُس نے دُعا کی۔ دریا پایاب ہو گیا۔ تو واپس پہنچی تو کہنے لگی کہ حضرت مجھے تو رات نیند نہیں آئے گی۔ آپ مجھے اِس کی حکمت سمجھائیں۔ آخر یہ بات کیا ہے؟ اتنا بڑا جھوٹ اور اُس کی اتنی قبولیت ہو؟ انہوں نے فرمایا بی بی جھوٹ نہیں ہے اگر اللہ کی طرف سے تیرے حقوق مجھ پر نہ ہوتے تو مَیں اپنے نفس کی خاطر کبھی تیری طرف دیکھتا بھی نہیں اور اللہ کا حکم بقائے حیات کے لیے کھانے پینے کا نہ ہوتا وہ شخص بھوکا مر جاتا۔ کھانے کے لقمے کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔ یعنی جو معمولات زندگی کے ہیں۔ روزمرہ کے امور ہیں

اُن میں بھی اُن لوگوں کو وہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے کہ اللہ کی طرف سے نہ ہوں تو وہ جو زندگی کا ایک معمول ہے وہ بھی نہیں کرتے۔

اِسلام میں عبادات اِس لیے ہیں کہ ہر سجدہ، ہر رکوع، ہر عبادت، ہر تسبیح، ہر ذکر اللہ سے قرب کی کیفیت کو مزید بڑھا دے اور کیوں بڑھائے۔ اِس لیے کہ جب ہم عملی زندگی میں جائیں تو ہر عمل میں اللہ کی اطاعت کا مزید مظاہرہ ہو۔ عبادات دُنیا کے کاموں سے روکنے کے لیے نہیں ہیں۔ بلکہ دُنیا کے کاموں کو دین میں ڈھالنے کے لیے ہیں کہ مومن کی دُنیا بھی دین بن جائے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ عشقِ الٰہی، محبتِ الٰہی فنا فی اللہ، اللہ کے ساتھ تعلق تو دُور کی بات ہے۔ ہم آج اُس جگہ پر کھڑے ہیں جہاں ہمارا دین بھی دُنیا کے لیے بن چکا ہے۔ آج اگر کوئی حج کرنے جاتا ہے تو وہ یہ سوچتا ہے کہ بیت اللہ میں دُعائیں قبول ہوتی ہیں فلاں کام بھی ہو جائے گا، فلاں بھی ہو جائے گا۔ یہ نہیں سوچتا کہ سارے جہان کے کام رہ جائیں۔ مجھے اللہ کے گھر کی زیارت تو ہو جائے۔ اگر کوئی نماز پڑھتا ہے تو وہ آپ کو اتنی بڑی چٹھی لکھے گا کہ کوئی وظیفہ بتائیں کہ میرا فلاں کام بھی ہو جائے، فلاں بھی ہو جائے۔ مَیں نے کتنے خطوں میں لکھا ہے کہ یہ سارے تو روٹین کے کام ہیں۔ کوئی ہو گا کوئی نہیں ہو گا۔ کوئی وظیفہ ہی پڑھنا ہے تو اللہ کے قرب کے لیے کیوں نہیں پڑھتے۔ اللہ کی رضا کے لیے کیوں نہیں پڑھتے، اللہ کو خوش کرنے کے لیے اور محبتِ الٰہی کے لیے کیوں نہیں پڑھتے۔

لیکن میرے خیال میں ہم اتنے پیچھے اور اتنے دُور چلے گئے ہیں کہ ہم نے یہ سوچنا ہی چھوڑ دیا ہے کہ دین دُنیا سے بہت قیمتی چیز ہے اور ساری دُنیا دے کر دین خریدا جائے تو سودا سستا ہے اور دین کا ایک کام ساری دُنیا کے لیے چھوڑ دیا جائے تو سودا مہنگا ہے۔

یہ سمجھ کہاں سے آئے۔ یہی منصبِ رسالت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے جن لوگوں کو نسبت نصیب ہوئی۔ اُن

لوگوں کی آپ زندگیاں دیکھیں تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے یہ سوچنا چھوڑ دیا تھا کہ یہ کام کیسے ہوگا۔ صرف یہ سوچتے تھے کہ اس کام کے لیے اللہ کا حکم کیا ہے۔ آپ پوری دیانت سے یہ سوچیں کہ مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے اور مدینہ منورہ کے انصار کے تین سو تیرہ جن میں آدھے بوڑھے اور بچے تھے جو آدھے باقی تھے اُن کے پاس نہ اسلحہ تھا نہ کھانے پینے کا سامان تھا اُن سے کہا جائے کہ شہر سے ڈیڑھ سو کلو میٹر باہر نکل کر ایک مسلح اور ایک تربیت یافتہ اُس فوج کے ساتھ جس میں ایک ہزار جنگجو سپاہی بہترین اسلحہ سے لیس اُس سے لڑ جاؤ تو اُس کا ایک سبب ظاہر نظر آتا ہے۔ اس کی کوئی لڑنے کی تجویز بنتی نہیں، کوئی طریقہ سمجھ میں آتا ہے کہ کیسے لڑ جائیں؟ کیوں لڑ جائیں؟ اِس لڑنے کا ہوگا کیا؟ کیوں لڑ جاؤ؟ اللہ کا حکم ہے بس ٹھیک ہے۔ کیا ہوگا اس کو وہ جانے جو حکم دے رہا ہے یہ اُس کا کام ہے۔ نتیجہ کیا ہوگا۔ ہمارا کام حکم کی تعمیل ہے۔

آج ہم کہتے ہیں کہ دنیا میں یہود کی بہت بڑی تنظیمیں ہیں۔

آج ہم کہتے ہیں کہ خلافِ اسلام جو تحریکیں ہیں وہ بڑی منظم ہیں اُن کا فلاں ملک مدد کر رہا ہے۔ فلاں حکومت اُن کی پُشت پر ہے۔ فلاں اُن کی مدد کر رہے ہیں۔ لیکن ایک سادہ سی بات ہے کوئی یہودی تنظیم، کوئی عیسائیوں کی مشنری، کوئی حکومت، امریکہ یا روس کی سلطنت یہ سارے مل کر رب جلیل کے مقابل کھڑے ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہو سکتے۔ تو پھر مسلمان کو فکر کی کیا ضرورت ہے۔ شرط یہ ہے کہ مسلمان اللہ کی اطاعت بھی تو کر سکے۔ دُنیائے اسلام پر بڑے سخت وقت آئیں گے اور بڑے سخت وقت آئے۔ لیکن ایک لمحہ عالمِ اسلام پر ایسا بھی آیا جو دُہرایا نہ جائے گا۔ اور وہ لمحہ تھا وصالِ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہٖ وسلّم کا۔ مدینہ منورہ میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا وصال مبارک ہُوا تو حال یہ تھا کہ لوگوں کو دن کو نظر آنا رک گیا تھا۔ کتنے صحابہ کبار ایسے تھے الاصحابہ فی احوال الصحابہ میں حالات لکھے ہیں کہ نئے ایسے تھے جنہوں نے بیٹھے ہوئے یہ خبر سُنی اور پھر زندگی بھر اُٹھ نہیں سکے اور ہر شخص دیوانہ سا ہو رہا تھا۔ کفر کی ساری طاقتوں نے جب کہ کافر بڑی بڑی عظیم طاقتیں تھیں۔ بہت بڑی بڑی عظیم سلطنتیں تھیں۔ قیصر و کسریٰ جیسے باجبروت حکمران تھے اور لاکھوں کی اُن کی افواج تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ اب یہ موقع ہے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے نابود کر دیا جائے۔ منافقین میں سے کسی نے زکوٰۃ کا انکار کر دیا، کسی نے نماز کا انکار کر دیا۔ کچھ لوگ مُرتد ہو گئے۔ سرے سے دین ہی کا انکار کر دیا۔ ایک اتنا بڑا سانحہ ایک محبوب کی جُدائی اُس کے ساتھ دُنیا کے سارے دشمنوں کی یلغار ایک انتہائی مشکل مرحلہ تھا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ فرمایا جو لشکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے قیصر کے مقابلے میں تیار فرمایا تھا وہ اُس کام پہ جائے گا جو باقی بچے ہیں وہ منکرین زکوٰۃ کے ساتھ بھی نبرد آزما ہوں گے اور وہ مرتدین پر بھی لشکر کشی کریں گے۔ تو صحابہ نے عرض کی یا امیر یہ کیسے ممکن ہے؟ ایک وقت میں اتنے سارے محاذوں پر اور مٹھی بھر افراد یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ سب اگر ہمیں کو کرنا ہے تو اِس کو باری باری کیجئے۔ فرمایا مجھے اِس بات سے غرض نہیں ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ مجھے اِس بات سے غرض ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کا حکم کیا ہے اور آپؓ نے تاریخی جُملہ فرمایا تھا کہ اللہ کی قسم اللہ اور اُس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم میں ایک نقطہ بڑھے گا نہیں اور ایک نقطہ کم نہیں ہو گا جب تک ابوبکرؓ زندہ ہے نتیجہ کیا ہوگا؟ فرمایا: اُس کا میں ذمہ دار نہیں ہوں اگر تم مجھے کہو کہ ابوبکر تم اکیلے رہ جاؤ گے اور مدینے میں بھیڑیئے آکر تمہیں پھاڑ کر کھا جائیں گے تو بھی مجھے اِس کی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن میں وہ ضرور کروں گا جس کے کرنے کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا ہے، آپ نے فرمایا یہ لشکر جائے گا یہ لشکر بھی جائے گا۔

آپ کا حکم موجود ہے کہ مرتدین پر تلوار چلائی جائے اور تلوار چلے گی۔ آپ کا حکم موجود ہے کہ منکرین زکوٰۃ سے جہاد کیا جائے اُن سے جہاد ہوگا۔ نتیجہ کیا ہوگا۔ اِس کا مَیں ذمہ دار نہیں ہوں یہ میرا کام نہیں ہے یہ اُس کا کام ہے جس کی اطاعت میں مَیں کربستہ ہوں اور تاریخ گواہ ہے کہ قیصر و کسریٰ کے دانت بھی توڑے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے، مرتدین کی گردنیں بھی توڑیں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے، منکرین زکوٰۃ کو اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کو بھی جہنّم واصل کیا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے، اُسی مٹھی بھر افراد کے ساتھ اُسی مٹھی بھر قوت کے ساتھ۔

آج بھی آپ کہتے ہیں کہ دُنیا میں بے شمار طاقت ہے کفر کی اُسے پالنے والی بے شمار طاقتیں اور بے شمار حکومتیں، غیر اسلامی تنظیموں کی امداد، سب کچھ کرنے دو۔ لیکن ایک بات بتاؤ رب العٰلمین کس بات، کس فرد، کس شخص، کس قوم، کس جماعت کے ساتھ ہے۔ اگر ہم اپنی اصل قوت کھودیں، معیتِ باری کھو دیں، اللہ کے ساتھ جو رشتہ ہے وہ کھو دیں تو کوئی حکومت ہماری مخالفت کرے نہ کرے ہماری حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

حضرت طارق نے اندلس کے کنارے پر جب جہاز جلانے کا حکم دے دیا۔ عجیب لوگ تھے ایک نیا ملک، درمیان میں بہت بڑا وسیع سمندر حائل، چند کشتیاں تھیں اُس پر بیٹھ کر چند سو افراد یا چند ہزار افراد نے سمندر عبور کیا تو سالارِ لشکر نے حکم دے دیا کہ انہیں جلا دیا جائے۔ بظاہر تو یہ بڑی دیوانگی تھی اور لشکر کے لوگوں نے یہ بات بھی کی

طارق چوں برکنارہ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کار تو بانگاہِ خرد خطا
دوریم از سواد وطن باز تو رسیم
ترک سبب ز روئے شریعت کجا روا است

شرعاً بھی اسباب کو ضائع کرنا جائز نہیں ہے اور ہم ملک سے کتنے دور ہیں۔ واپسی کا راستہ سینۂ سمندر پہ ہے۔ آپ نے جہاز جلا دیے تو یہ کیسے ہوگا۔

خندید دستِ خویش و شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملکِ ما است کہ ملکِ خدائے ما است

فرمایا مَیں نے اِسی لیے جہاز جلا دیئے ہیں کہ تم اُس ملک کو اپنا سمجھتے ہو یہ زمین کس کی ہے! یہ بھی اُسی مالک کی ہے جس کو تم سجدہ کرتے ہو اِس زمین پر جو ظلم ہو رہا ہے اُس ظلم کا تدارک بھی تم پر ویسا ہی فرض عین ہے جیسا سرزمین حجاز پر سے مٹا کر آئے ہو جو بُت اِس زمین پہ پُوجے جاتے ہیں اُن کو توڑنا بھی ویسا ہی فرض ہے جیسا کعبے میں پوجے جانے والے بتوں کو توڑنا فرض ہے۔

اسلام نے جنگ کا مفہوم بدل دیا۔ قومیں جنگ کرتی تھیں تاریخ جنگوں سے بھری پڑی ہے لیکن اسلام نے جنگ نہیں جنگ کی جگہ جہاد دیا۔ جہاد قوموں اور افراد کے خلاف نہیں ہوتا۔ نظریات اور کردار کے خلاف ہوتا ہے۔ جہاد وہ جنگ ہے جو بُرائی کے خلاف ہوتی ہے۔ کوئی بھی جو بُرائی سے رُک جائے اُس کے خلاف مسلمانوں کی جنگ نہیں ہوتی۔ لیکن اللہ کی زمین میں اللہ کی نافرمانی کو مٹانا یہ ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے لیکن تب جب کہ وہ خود تو اللہ کی اطاعت کرسکیں اور کتنی عجیب بات ہے کہ جن افراد پر روئے زمین سے بُرائی کو مٹانا فرض کر دیا۔ رب العٰلمین نے۔

حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ۔

رُوئے زمین پر کہیں ظلم و جور اور کہیں فتنہ و فساد نہ رہے اور ایک سرے سے دُوسرے سرے تک صرف اللہ کی عبادت ہو اور اللہ کے قانون کا احترام ہو اور اللہ کے حکم کے مطابق انصاف ہو جس قوم پر یہ فرض عین ہے وہ کہتے ہیں مجھے نماز کے لیے جاگ ہی نہیں آتی وہ کہتا ہے اگر حلال کھاؤں تو بچے پال ہی نہیں سکتا یعنی اِن کے نزدیک اسلام پر عمل ممکن ہی نہیں ہے ناممکن العمل مذہب ہے آپ کسی سے بات کریں وہ کہے گا جی حلال کمائیں تو بچے کیسے پالیں بچے پالنے کے لیے

عیاشی شرط تو نہیں ہے۔ بچے کم کھا سکتے ہیں بچے روکھی کھا سکتے ہیں بچے آٹھ پہر میں ایک بار کھا سکتے ہیں لیکن حرام کھا کر بچے بچے نہیں رہیں گے۔ بچے بلائیں اور ڈائین بن جائیں گے۔ بچے درندے بن جائیں گے ہم جس بچے کو دھوپ کی شدت سے بچانا چاہتے ہیں آخر اس کے ساتھ ہمیں کیا دشمنی ہے کہ اُسے اللہ کے غضب اور دوزخ کی آگ سے نہیں بچانا چاہتے یہ کون سی محبت ہے یہ کونسی اُلفت ہے۔ یہ کونسا پیار ہے کہ ہم اُسے حرام کھلا کر اور اُس کی بُرائی اُس کے مزاج اور اُس کے ضمیر میں رچا بسا کر اُسے ہمیشہ کے لیے گمراہی کے گڑھے میں پھینک دیں اور سمجھیں کہ ہم نے بچے پالے۔ ہم نے بچے کو بڑا پڑھایا ہم نے بچے کو امریکہ بھیج دیا۔ لیکن کیا آپ نے بچے کو اللہ کا تعارف بھی دیا یا صرف اُس سرزمین پر بھیج کر خوش ہیں۔ جس پر کھانے کو خنزیر، پینے کو شراب اور کرنے کو بُرائی ملتی ہے۔ اس پر آپ خوش ہیں کہ میں نے اُسے ایک جہنم میں جھونک دیا۔ موج کرے گا۔ تو جب ہماری پسند جب ہمارا پیار، جب ہماری محبت اللہ کی نافرمانی اور دُنیا کی عیش و عشرت کی ہو گئی تو ہم مسلمان کہلانے کے مستحق کہاں رہے۔ ہم رُسوا ہو گئے۔ تو یہ کہنا کہ مسلمان رسوا ہیں۔ یہ جائز کب ہے مسلمان کے لیے رسوائی ہے ہی نہیں۔ طے شدہ بات ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ جسے آپ عزت کہتے ہیں۔ العزہ ہر وہ احترام جو عزت شمار ہو سکتا ہے۔ سب سے پہلے اللہ کے لیے ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور ایمان دار بندوں کا حق ہے۔ سب ہی اُنہی کے لیے تو جب ہم کہتے ہیں کہ مسلمان رُسوا ہیں۔ یہ فقرہ تو شرعاً بھی درست نہیں بنتا۔ مسلمان اور رسوائی دو چیزیں ایک خانے میں جمع ہی نہیں ہوتیں۔ شرعاً اس کا معنی یہ ہے کہ ہم شاید اسلام سے کیا شاید کیا یقیناً اسلام سے دُور ہوتے ہیں۔ جب ہمیں رسوائی سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے وہ جو غیر محسوس نگاہ دی تھی وہ جو نظر نہ آنے والی حس دی تھی جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان تعبد الله كانك تراه۔ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو تو مزا تب ہے کہ اِس طرح کھڑے ہو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اور ایک قانون ہے کہ ناممکن جو ہو اُس کا تصور بھی ناممکن ہوتا ہے۔ اگر دیکھنا ممکن نہیں ہے تو دیکھنے کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔ اور ناممکن کا حکم نہ اللہ دیتا ہے۔ نہ اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیتا ہے۔ ساری دُنیا اِس بات کی قائل ہے۔ تمام عالمِ اسلام ہر مکتبِ فکر کہ میدانِ حشر میں اللہ کا دیدار ہوگا۔ تو اگر کوئی خود کو اُن بلندیوں پہ لے جائے۔ رشتوں کو اور تعلقات کو اُس نسبت پہ لے جائے جو حضوری ہر ایک کو حشر میں حاصل ہوگی۔ تو دُنیا سے اور دُنیا کے حالات کی لذات سے اتنا دُور لے جائے خود کو جیسا عام آدمی میدانِ حشر میں ہوگا تو دیدار محال نہیں ہے۔ دیکھ کر سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ لذاتِ دُنیا کی محبت کی جگہ محبتِ الٰہی آ جائے۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ حضوری جو دنیوی لذات کو جو روپے پیسے کو جو ہماری عیاشی کو ہمارے قلب و ذہن میں حاصل ہے۔ وہ حضوری ذاتِ باری اور اسمِ الٰہی کو ہو۔ کئی سائنس دانوں کے متعلق میں نے پڑھا ہے کہ اُن کے کھانے کے اوقات گزر گئے اور انہیں یہ سمجھ نہیں کہ انہوں نے کھانا کھایا ہے یا نہیں اگر یہ حال ایک سائنس دان پہ آ سکتا ہے جو محض سائنس کی لیبارٹری میں ایک شے کی ریسرچ پہ لگا ہوا ہے کہ ملیریا کا جراثیم کیسا ہے۔ اِس میں اگر اُسے یہ فنائیت حاصل ہے۔ تو جو ذکرِ الٰہی، اسمِ الٰہی، یادِ الٰہی میں مستغرق ہو اُس پر یہ کیفیت کیوں نہ آئے۔ اگر مخلوق کی تحقیق، مخلوق کے ذکر، مخلوق کو جاننے میں اتنا انہماک ہو سکتا ہے تو خالق کے جاننے، اُس کے تعلق اور اُس کے قرب کی تلاش میں اتنا انہماک کیوں نہیں ہے۔ اور اگر یہ ممکن ہے اور یہ نصیب ہو جائے تو آنکھ دیکھے نہ دیکھے انسان دیکھتا ہے۔

پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر اتنی ہمت نہیں ہے تم میں تو کم از کم درجہ یہ ہے کہ یہ یقین کر لو کہ میرا رب تو مجھے دیکھ رہا ہے

اگر یہ بھی نہیں ہے تو پھر کیا حاصل ہوگا۔ اور جسے یہ یقین ہو میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے وہ بھلا کہہ دے کسی سے کہ میں نماز کے لیے نہیں اُٹھتا میرے لیے دُعا کرو یہ ممکن ہے ؟ جسے یہ یقین حاصل ہو جائے کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے پھر بُرائی کر سکتا ہے ؟ جھوٹ بولے گا۔ دھوکا کرے گا ؟ وہ کوتاہی کرے گا یادِ الٰہی میں ؟ یہ جو سب کچھ ہم کرتے ہیں۔ اِس کا مطلب ہے کہ ہمیں یہ بھی حاصل نہیں کہ میرا رب بھی مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ سارا کچھ بنا بنایا ملتا ہے بارگاہِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہمیشہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب ہمیشہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت ہمیشہ کے لیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات بھی ہمیشہ کے لیے۔ جس طرح احکامِ الٰہی کو جاننے کے لیے کتاب اللہ کا پڑھنا ضروری ہے جس طرح سے سُنت سے آگاہی کے لیے سُنت کا پڑھنا ضروری ہے۔ جس طرح سیرت مُبارکہ سے آگاہی کے لیے سیرت کا پڑھنا یا سُننا ضروری ہے جس طرح علماء کی خدمت میں جانا اِس لیے ضروری ہے کہ اللہ کی کتاب سے واقفیت ہو سکے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سنت اور احکامات سے واقفیت ہو سکے۔ اِسی طرح اُن لوگوں کے پاس جانا بھی ضروری ہے جن کے پاس بیٹھ کر نظر نہ آنے والا نظر نہ آتے ہوئے بھی نظر آنے لگے اور یہی بنیاد بنتی ہے۔ سارے دین کی اور اسلام میں جو پیری مریدی کا تصور ہے یہ دُنیا داری کے لیے نہیں ہے۔ یہ جو آپ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ پیر صاحب دُعا کر دیں گے دُنیا کے کام ہو جائیں گے تو پیر صاحب کے تو اپنے دُنیا کے کام اَدھورے پڑے ہوتے ہیں فرصت نہیں ہوتی کرنے کی۔ جس شخص کے اپنے نہیں ہو رہے وہ آپ کے کیسے کرے گا۔ یہ عجیب سا تصور ہے۔ آپ کہتے ہیں پیر صاحب کے پاس جاؤں گا میری صحت ٹھیک رہے۔ پیر صاحب کی اپنی صحت خراب ہے۔ ارے کیا بھولے لوگ ہو اور کیا فضول باتیں کرتے ہو اگر پیر واقعی پیر ہے تو اُس سے وہ کیفیت حاصل کرو کہ نہ دیکھتے ہوئے بھی اللہ کو دیکھ سکو۔ پھر سارے کام ہو گئے اگر یہ کام ہو گیا تو سارے ہو گئے۔ اگر یہ نہیں ہو سکا تو صحت کافروں کو بھی مل رہی ہے۔ بچے اُن کی بیویاں بھی دے رہی ہیں۔ پیسہ وہ بھی کما رہے ہیں۔ کاروبار اُن کا بھی چل رہا ہے۔ آپ نے پیر صاحب کی دُعا سے چلا لیا تو کیا تیر مارا پیر نے اور کیا کمایا آپ نے وہ جو اللہ کو بھی نہیں مانتے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے جو حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتے۔ اُن پر کسی پیر کا بوجھ بھی نہیں ہے اُن کے دُنیا کے سارے کام بھی ہو رہے ہیں۔ آپ نے اپنے اُوپر اللہ کے بعد دین کا اور دین کے بعد ایک پیر کا مزید بوجھ سر پر لادا اور حاصل یہ ہوا کہ پیر صاحب دُعا کرو دو میری فصل ٹھیک ہو جائے۔ ارے خدا کا خوف کرو۔ میرے بھائی! پیر اگر واقعی پیر ہے تو اس سے دِل روشن کرو اور وہ نگاہ حاصل کرو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاصل کرنے کا حکم دیا ہے کہ جائے نماز پر ہاتھ باندھو تو نظر نہ آنے والا نظر آ رہا ہو۔ بازار میں جاؤ تو تمہارا رب تمہارے ساتھ ہو۔ رات کی تنہائیوں اور تاریکیوں میں پروردگارِ عالم رو برو ہو بات کرتے ہوئے تمہاری نگاہ اسلام کے احکام پر ہو کھاتے کماتے خرچ کرتے۔ سوتے جاگتے ہوئے عظمتِ الٰہی اگر تمہاری نگاہوں کے سامنے ہو یہ دولت کسی پیر کی صحبت میں مل جائے تو وہ پیر کی اپنی نہیں ہو گی اُس نے بھی کسی سے حاصل کی ہو گی کہ یہ وہ نعمت ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے بٹتی ہے۔

اور اگر یہ نہیں مل رہا تو پھر کچھ نہیں مل رہا۔ اسلام کو دینوی امور کا ذریعہ نہ بناؤ۔ بلکہ دُنیا کے کاموں کو اِس نگاہ سے پرکھو کہ یہ جو کام میں کرنا چاہتا ہوں کیا اِس کے کرنے کا حکم اللہ نے دیا اور اس کا یہی طریقہ ہے۔ اور یہ کام کرنے سے میری مراد اطاعتِ الٰہی ہے یا محض ذاتی لذت۔ کس کے لیے دولت لوٹنا چاہتے ہو۔ زندگی کا بھروسہ نہیں کہ دوسرا سانس آئے گا بھی یا نہیں کس کے لیے دینوی عیش و عشرت کس کے لیے صحت کی ضرورت ہے۔ جس وجود کا کوئی اعتبار نہیں وہ دوسرے لمحے ہو گا بھی یا

نہیں۔ سب سے پہلے وہ چیز حاصل کرو جو انسان کو انسان بناتی ہے۔ اور وہ عشق، وہ طلب، وہ تڑپ، وہ محبت حاصل کرو۔ ارے بندوں کو بندوں کے ساتھ وہ محبت ہوئی۔

قیس حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہم سبق اور ہم جماعت تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت حسنؓ میں جب معاہدہ ہوا تو آپ نے حکومت حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد کر دی تو ایک سفر میں قیس ہمراہ تھا۔ اور وہ اونٹ پر بیٹھا تھا حضرت حسنؓ نے فرمایا دیکھو بھئی قیس میں نے کتنا اچھا کام کیا تو وہ کہنے لگا مزا نہیں آیا۔ آپؓ نے فرمایا کیا کہا؟ کہنے لگا۔ اصل بات یہ ہے حسنؓ بھائی کہ حکومت نہ آپکو سجتی تھی اور نہ ہی حضرت امیر معاویہؓ کو سجی۔ مزا نہیں آیا۔ آپ نے جو کچھ کیا مزا نہیں آیا تو آپ بڑے حیران ہوئے کہ اِس نے حکومت کا تیسرا دعوے دار کہاں سے نکال لیا۔ یہ کسے دینا چاہتا ہے۔ تو انہوں نے کہا تمہارا کیا خیال ہے۔ مسلمانوں کا امیر کون ہونا چاہیئے۔ کہنے لگا سجتی لیلیٰ کو تھی تو انہوں نے فرمایا: انت مجنوں۔ تُو پاگل ہو گیا۔ تُو مجنوں ہو گیا۔ اُس کا نام ہی مجنوں ہو گیا۔

یعنی اگر بندہ بندے کی محبت میں اِس حد تک جا سکتا ہے کہ ہر کام میں اُسی کا نام ہے تو کیا کوئی اللہ کی محبت میں اِس حد تک نہیں جا سکتا کہ ہر کام میں اللہ ہی کا نام آئے کھانے پینے سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے خرید و فروخت، صحت و بیماری ہر بات پہ مقدم جب تک اللہ کی محبت نہ ہو تب تک ایمان مکمل نہیں ہوتا فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ اور یہ طوفان پیدا کرنا یہ شیخ کا کام ہے۔ یہ پیر کا کام ہے کہ وہ مدعی ہے اُس منصب کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بانٹے ہیں۔ اُس کی پرکھ بھی یہی ہے۔ اُس کی جانچ بھی یہی ہے۔ اور اُس سے حاصل بھی یہی کرتے ہیں نعمت۔ اگر نہیں ملتی تو اُس پیر سے جان چھڑاؤ یہ بوجھ اپنے سر پر کیوں لادتے ہو تمہیں صحت کی فکر ہے۔ وہ رب العلمین ٹھیک کر دیں گے یہ اُن کا اپنا کام ہے۔ سارے جہاں کا رب ہے۔ ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت پوری کرنا یہ اُس کا فرضِ منصبی ہے۔ وہ پروردگارِ عالم ہے اور ہر ایک کی ہر ضرورت پوری کرتا ہے۔ ماسوائے اپنی تلاش کے یہ اُس نے ہم پر فرض کر دیا ہے ہم نے اپنا کام چھوڑ دیا اور جو کام اُس نے کرنے ہیں اُس کی فکر ہمیں کھا گئی۔ اللہ کریم ہماری اِن کوششوں کو شرفِ قبولیت بخشے ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔ اپنے نام کی لذت اور اپنے عشق اور اپنی محبت اور اپنے حضور کی چاشنی عطا فرمائے اور اپنا محاسبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم دیکھتے رہا کریں۔ اللہ سے تعلق کتنا بن رہا ہے۔

و آخر دعونا اِن الحمد للہ رب العلمین

(اجتماع لنگر مخدوم، ۴۔ اکتوبر ۱۹۹۱ء)

زریں اصول

صدیوں کی ریاضت سے
صدیوں کی عبادت سے
بہتر ہے وہ ایک لمحہ
جو تُو نے گزارا ہے
انسان کی خدمت میں

رنگین بہاروں سے
پُر نور ستاروں سے
بہتر ہے وہ اک صدمہ
جو تُو نے اُٹھایا ہے
انسان کی محبت میں

بہتر ہے خزینوں سے
قارون کے دفینوں سے
ٹوٹا ہُوا دل کوئی
گر تُو نے خریدا نے
افلاس کی جنت میں

مسز مقبول

انسانی حقوق

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

ہر زمانے میں اور ہر دور میں جس طرح کی ضروریات بدلتی رہتی ہیں۔ وسائل اور ذرائع بدلتے رہتے ہیں اُسی طرح سے انسانی سوچ اور انسانی مزاج بدلتے رہتے ہیں اور انسانی سوچ اور اُس کا مزاج جو ہے وہ جس قسم کا انسان ہو وہ اُسی قسم کا اثر پیدا کرتا ہے۔ انسان مادی طور پر کسی ملک پر حکمران ہے یا حکومت کا نمائندہ ہے یا حکومت کے کسی عام عہدے پر ہے تو اُس کی فکر اور اُس کی سوچ پورے ملکی نظام کو متاثر کرتی ہے۔ جس طرح آج آپ دیکھتے ہیں کہ ہر آدمی کم و بیش پیسے بنانے کی فکر میں ہے۔ یہ ایک بنیادی نظریہ ہے اُس میں جائز و ناجائز کو چھوڑ دیں تو جو بنیادی فلسفہ آج کل انسانی ذہنوں پہ سوار ہے وہ یہ ہے کہ پیسے زیادہ کمائے جائیں۔ اب اگر حکمران اپنے قانونی اختیارات کو کام میں لاکر جائز طریقے سے بھی پیسے کما لیتا ہے۔ اپنے لیے کوئی جائز فرم بنا لیتا ہے اپنے لیے کوئی قانونی پاسپورٹ حاصل کر لیتا ہے تو اس کے اُس جائز کام سے بھی پورے ملک میں ناجائز لوٹ کھسوٹ کا ایک بازار گرم ہو جاتا ہے۔ وہ وبا نیچے تک چلی جاتی ہے اور اگر برسرِ اقتدار یا بااثر آدمی ناجائز ذریعے سے بنا لیتا ہے پھر تو اُس ناجائز اور حرام ذرائع کو اتنا فروغ ملتا ہے کہ لوگ اُس پر کسی معذرت یا کسی شرمندگی کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اِسی طرح جو نظام روحانیات کا ہے۔ اِس کا بھی بالکل یہی طریق کار ہے۔

جن لوگوں کو مذہبی یا رُوحانی طور پر قیادت یا کچھ مناصب یا کوئی اہمیت نصیب ہوتی ہے اُن کی سوچ جو ہے وہ لوگوں کے ایمانوں کو متاثر کرتی ہے۔ اُن کا کردار لوگوں کے عقائد کو متاثر کرتا ہے اور یہ بالکل ایسا نظام ہے جس طرح آپ مادی دُنیا میں دیکھتے ہیں کہ سُورج چاند ستارے، روشنی، تاریکی کا نظام، جس پہ مدار ہے بارش کا، روئیدگی کا، چیزوں کے اُگنے پیدا ہونے کا، تو وہ سسٹم جس جس طرح سے کام کرتا ہے اُس اُس طرح سے زمین پہ کبھی آبادی ہوتی ہے کبھی قحط سالی آجاتی ہے۔ اِسی طرح سے انسانی حکومت کا ایک نظام ہے۔ وہ حکمران طبقہ جس طرح سوچتا ہے جس طرح عمل کرتا ہے اُس کے اثرات عام آدمی تک جاتے ہیں اور پھر اگر وہ بے راہ رو ہیں تو عام آدمی تک بے راہ روی پھیل جاتی ہے۔) ہر دفتر میں ہر محکمے میں بدنظمی ہو جاتی ہے اگر وہ ٹھیک ٹھاک کام کرنے والے ہیں۔ چیک اینڈ بیلنس ہے وہ نیچے تک چلا جاتا ہے۔ ہر ایک سیدھا ہوتا چلا جاتا ہے۔ آپ دیکھیں گے اچھے بھلے مسلمان ممالک میں جہاں کوئی چیک اینڈ بیلنس نہیں ہے۔ وہاں بے راہ رُوی عام ہے اور کسی کافر ملک میں جہاں چیک اینڈ بیلنس ہے وہاں نیچے تک آدمی احتیاط سے کام کرتے ہیں۔)

اِسی طرح رُوحانی دُنیا میں جو لوگ ہیں وہ سب سے زیادہ ذمہ دار ہوتے ہیں اور اگر وہ بھی اُسی رَو میں بہنا شروع ہو جائیں۔

اِس کا مطلب ہے کہ وہ بہت کمزور لوگ ہیں۔ یعنی رُوحانیات کا کا ایک بُنیادی تصوّر یہ ہے کہ یہ سب سے زیادہ مؤثر، سب سے زیادہ مضبُوط۔ رُوحانی طاقت ہے۔ لیکن اگر یہ بھی دُنیا کے لوگوں کے خیالات سے متاثر ہو جائے اور اِس شعبے کے لوگ بھی اس رَو میں بہ جائیں گے جس طرح دُنیا والے بہ رہے ہیں تو اِس کا مطلب سوائے تباہی اور بربادی کے اور کچھ نہیں چونکہ یہ وہ آخری دفاعی لائن ہے۔ جو انسانیت کی، روحانی طور پر دفاع کرتی ہے بُرائی کا۔ اور اگر یہ مورچہ بھی سَر ہو جائے تو پھر انسان کے پاس دشمن کو روکنے کے لیے یا کفر کو روکنے کے لیے یا گناہ کو روکنے کے لیے کچھ نہیں بچتا۔)

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہوگا کہ صاحبِ مناصب یا روحانی سلاسل یا سسٹم کے جو لوگ ہوں گے تو اعلےٰ مناصب پہ مجاذیب آجائیں گے جنہیں دُنیا اور آخرت کی کوئی فکر ہی نہ ہوگی۔ جنہیں کوئی خبر ہی نہ ہوگی اور عام لوگ جو ہیں وہ اُسی رنگ میں رنگے جائیں گے جس طرح دُنیا والے۔ اور یہ مت بھولیے کہ (یہ ضروری نہیں کہ صُوفی گناہ کرے۔ فرائض ہی سے معاملہ بگڑ جاتا ہے۔ گناہ کرنے سے نہیں۔ گناہ کرنا تو بہت بڑی بات ہے۔) کسی دیوار میں سے ایک پتھر نکال لینا تو الگ بات ہے صرف اُس کا تحفظ نہ کرنا اور اُس کی دیکھ بھال نہ کرنا بھی اُس کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ جب آپ اہمیت یا فرائض ہی بدل دیتے ہیں۔ (مثلاً دین کی بُنیاد اِس بات پر ہے کہ سب سے زیادہ اہمیت دین کو دی جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے کہ آدمی دو میں سے ایک طرف ضرور نقصان اُٹھاتا ہے یا دین میں یا دُنیا میں۔ اگر وہ اہمیت دین کو دے گا تو بہت سے دُنیاوی اُمور میں اُسے نقصانات برداشت کرنے پڑیں گے۔) چونکہ اُس کی اہمیت دین ہے دین کو نہیں چھوڑے گا۔ کسی موقع پر بھی تو اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ کئی جگہ اپنے دینوی کاروبار میں توجہ نہیں دے سکے گا کہیں سے دُنیا میں پیسے کی وصُولی رہ جائے گی کہیں سے جھوٹ نہیں بول پائے گا اُس کی چیز اچھی قیمت پر فروخت نہیں ہوگی نقصان پائے گا۔ ایسے بہت سے مواقع آئیں گے کہ اُسے دُنیا میں نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ (اور اگر وہ چاہے کہ دُنیا میں کہیں کسی طرح کا کوئی نقصان نہ ہو تو پھر دین میں نقصان ضرور ہوگا۔) پھر کہیں نہ کہیں سے اُسے وہ دینی اہمیّت کم کرنی پڑے گی اور اپنی دُنیا کو توجہ دینی پڑے گی۔

تو ہم لوگ یہ سوچتے رہتے ہیں کہ شاید گناہ کرنے سے نقصان ہو گا۔ (تو سب سے بڑا گناہ صُوفی کے لیے یا رُوحانی طور پر جن کے ذمے کوئی خدمت دین کی لگائی جاتی ہے اُن کے لیے سب سے بڑا گناہ ہے فرائض ہی کو تبدیل کرنا۔ جب اُن کا مقصد دُنیا کا فائدہ ہو جائے گا تو اُنہوں نے بہت بڑا گناہ کر لیا۔ اِس سے بڑے کسی گناہ کا تصوّر کرنا صحیح نہیں ایک گناہ ہوتا ہے وقتی اور لمحاتی تو ایک لمحے کے لیے انسان کسی بات پر پھسل گیا۔ کسی ایک وقت اُسے نفس نے یا شیطان نے وَرغلا لیا اُس کا اثر اتنا دُور رس نہیں ہوتا شاید دوسرے لمحے اُسے توبہ کی توفیق مل جائے۔ لیکن جب یہ اہمیت بدل جاتی ہے اور آدمی دُنیا کو اہمیت دینے لگتا ہے دین پر تو یہ وقتی یا لمحاتی گناہ نہیں ہوتا یہ اُس کی زندگی کا ایک راستہ بن جاتا ہے۔

ہم سوچیں کہ اگر مَیں اِس مجلس میں بات کروں گا تو لوگ ناراض ہو جائیں گے یا لوگ میری خدمت نہیں کرتے مَیں انہیں کیوں بات بتاؤں یا لوگ میری کوئی زیادہ عزت نہیں کرتے۔ مَیں انہیں کیوں ذکر کراؤں اور بہت سی دوسری چیزیں ہیں کہ جہاں اللہ کی رضا کی بجائے دینوی فوائد آجاتے ہیں۔ غیر شعوری طور پر آدمی اپنی ذات کو یا اپنے اُس ذرائع آمدن کو یا اپنی اہمیت یا ایک خاص طرح کے سٹیٹس کو بنا لیتا ہے۔ مقصد، اور یہ ایک ایسی بات ہے جسے ہم محسوس ہی نہیں کرتے۔ غیر شعوری طور پر وہ آگے آجاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو جو پتھر مارتے تھے آپ اُن کو بھی دین بتانے جاتے تھے مَیں کون ہوں کہ مجھے جس نے سلام نہیں کیا اُسے میں دین نہیں بتاؤں گا۔ ذکر نہیں کراؤں گا۔ بنیاد کو دیکھیں کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گلیوں میں کانٹے بچھاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پہ کوڑا پھینکتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برساتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اِس سارے کی پرواہ کئے بغیر اُن کی ہدایت کے لیے محنت فرماتے مجاہدہ فرماتے اُن کے لیے بیان کرتے تبلیغ کرتے پھر بھی دعوت جاری رکھتے، دُعائیں کرتے غائبانہ دُعا کرتے، رفع عذاب کے لیے دُعا کرتے کہ اللہ ان پر عذاب نہ بھیج اور اس سارے کا حاصل اُن لوگوں سے حصول کی توقع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں رکھتے تھے تو ہم جب حصول کی توقع افراد کی طرف لے جاتے ہیں کہ یہ لوگ میری بات توجہ سے نہیں سُنتے یا یہ لوگ میری عزت نہیں کرتے یا دُنیا کا فائدہ کہ یہ مجھے پیسے نہیں دیتے یہ تو بڑی دُور کی بات ہے نا یہ اتنی چھوٹی سی تبدیلی کا ہو جانا جو ہے یہ دینی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ اور جب ایسے لوگوں کی جو ہے اہمیت یا پریارٹی بدلتی ہے تو اُس کا نتیجہ بہت دُور تک جاتا ہے پھر آپ دیکھیں دآج سب سے بڑا زوال جو ہے دین پر وہ یہ ہے۔ کہ ہر مسلمان عبادت بھی دُنیا کے لیے کر رہا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

بہت تھوڑے لوگ ایسے ملیں گے جن کے پاس یہ تصور ہو کہ مجھے محض اللہ کو راضی کرنے کے لیے اللہ اللہ کرنا ہے ہر آدمی نے اپنی عبادت کے ساتھ بھی دُنیا کو جوڑ رکھا ہے اور وہ کہتا ہے جی مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتاؤ کہ وہ کام بھی ہو جائے وہ بھی ہو جائے وہ بھی ہو جائے یہ وہ اثر ہے جو پھر نیچے تک چلتا جاتا ہے تو اِس کا دفاع ایک ایک آدمی کی اصلاح سے ممکن نہیں ہے کہ آپ ایک ایک آدمی کو یہ بات انجیکٹ کریں کہ جی نہیں دین تو محض اللہ کی رضا کے لیے ہے آپ دُنیا کے تابع دین کو نہ کریں بلکہ (دین پہ پوری محنت کریں کوئی دُنیا کا فائدہ اُس سے ہوتا ہے یا نہیں ہوتا اُس سے ایک ہی فائدہ مدِّنظر رہے کہ اللہ کریم کے حکم کی اطاعت ہو رہی ہے۔ تعمیل ہو رہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کا اتباع ہو رہا ہے اور یہ کافی ہے۔) یہی میرا حال ہے کہ مَیں اللہ کی اطاعت کر لوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کا اتباع کر لوں۔ یہی حاصل ہے تو اگر یہ تبدیلی اللہ کریم ہمیں توفیق دے اور ہم اپنے دل میں اپنے ذہن میں اپنی سوچ میں اپنا تجزیہ کر کے کہ اگر ہم یہ تبدیلی اپنے اندر پیدا کریں تو آپ غیر محسوس طریقے پر دیکھیں گے کہ ہمارے گرد ایک حلقہ ایسا بننا شروع ہو جائے گا جن کے دلوں میں یہی خیال ہوگا۔ جہاں جہاں برکات آپ کی وساطت سے جائیں گی جہاں جہاں توجہات جائیں گی جہاں جہاں انوارات آپ سے ہو کر جائیں گے وہ اِس خیال کو ساتھ لے کر اگلے کے دلوں تک جائیں گے۔ اور اگر اِس طرح ہم اسے فیڈ نہ کر سکے تو زبانی نہیں پہنچا سکیں گے۔ کیونکہ زبانی پہنچانے والوں کے اپنے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ مَیں نے بڑے بڑے فاضل علماء کو دیکھا ہے کہ محض فیس کی کمی یا کرایہ کم ملنے پر، تھوڑے پیسے ملنے پر وہ کہہ دیتے ہیں کہ کوئی کافر ہے یا مسلمان رہے ہمارا دردِ سر تو نہیں ہم تو نہیں جائیں گے۔

ایک دفعہ ایک جگہ اہلِ سُنّت کے مولوی صاحب تقریر کر رہے تھے۔ وہاں انہوں نے شیعہ مناظر بلا لیا۔ مولوی اسمٰعیل بہت بڑا شیعہ مناظر تھا۔ میرے خیال میں اس دَور میں شیعہ کے متقدمین کے پائے کا شیعہ عالم تھا۔ اہلِ سنّت جو تھے وہ بھاگے بھاگے کہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے۔ مجھے بھی خبر ہوئی مَیں بھی اُس جلسے پہ چلا گیا یہ کوئی ساٹھ کے شروع کی بات ہے۔ تین دن ہم وہاں رہے مناظرہ تو نہ ہُوا۔ بھاگ جاتا تھا حضرت کے نام سے۔ لیکن تقریریں ہوئیں جلسے ہوئے تو جہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ ٹھہرے ہُوئے تھے وہ غریب آدمی تھے۔ حضرت کے لیے تو وہ کھانا بنا لیتے۔

ایک آدمی کے لیے اور ایک چارپائی بھی انہوں نے کمرے میں رکھ دی انہوں نے فرش پر دریاں ڈال دیں اور ہمارے لئے شہر سے تھوڑا تھوڑا کھانا وہ لوگ دے دیتے تھے۔ تیسرے دن جب چلنے لگے تو حضرت اور میں اکٹھے نکلے۔ بس کے اڈے تک ہم پیدل آئے کچھ تھوڑا سا دُور تھا گاؤں سے بس میں بیٹھنے لگے تو انہوں نے بیس روپے ہمیں دیئے مجھے بڑا بُرا لگا کہ یہ کیا مذاق کر رہے ہیں ہمارے ساتھ۔ بیس روپے دے رہے ہیں یہ کیا عجیب بات ہے پیسے میں نے رکھ لیے۔ گاڑی والوں کو دیئے ٹکٹ لیا۔ تو جب گاڑی وہاں سے چل پڑی میں نے حضرت سے عرض کی کہ حضرت یہ کیا مذاق ہے تین دن رات تو وہ کھپ پڑی رہی جلسے کی اور تقریریں اُس پہ لڑائی کا خطرہ الگ اور تماشہ اور پولیس کا شور علیحدہ اور کھانے پینے کو ویسے کچھ نہیں ملا۔ دینے کو انہوں نے بیس روپے دے دیئے ہیں۔ یہ کیا تماشہ ہے۔ آپ فرمانے لگے کہ یہ تو اُن کا احسان ہے کہ انہوں نے بیس روپے دیئے۔ ہم نے اُن کا کام نہیں کیا نہ ہمیں اُن سے کسی مزدوری کی توقع ہے۔ اگر انہوں نے دے دیئے تو یہ اُن کا بھلا ہے۔ چلو کچھ سپورٹ ہو جائے گی کچھ بس کا کرایہ جو ہے اُس کی کچھ مدد مل جائے گی سارے پیسے پلّے سے نہیں پڑیں گے۔ یہ کام، ذمّہ داری تو ہماری اپنی تھی اور ہم پر فرض تھا کہ ہم وہاں پہنچتے اور یہ کام کرتے اُنہوں نے ہمیں اطلاع دے دی یہ کافی تھا اُن کا حق ادا ہو گیا کہ فلاں جگہ یہ بے دینی یا کفر پھیل رہا ہے اور آپ اگر آئیں تو تدارک ہو سکتا ہے اُن کا کام ختم ہو گیا۔ اب اُس کے بعد انہوں نے روکھی دی یا سُوکھی دی تین دن روٹی بھی دی رہنے کو جگہ بھی دی اور چلتے وقت بیس روپے بھی دے رہے ہیں۔ اور تم اُن سے کیا چاہتے ہو؟

تو یہی جو سوچ تھی یہ اُس کا پھل ہے کہ آج ہزاروں لوگ باوجود بے شمار دنیوی آلائشوں میں ڈوبے ہوئے ہوں اللہ اللہ تو کر ہی رہے ہیں یہ میری آپ کی محنت نہیں ہے کسی بھی بڑے سایہ دار درخت کی جو جڑیں ہوتی ہیں وہ ہمیں نظر نہیں آتیں۔ ہم اُس کی شاخوں اور ڈالوں اور پتوں پہ حیران ہوتے رہتے ہیں۔ کہ اِس کے بڑے بڑے ڈال ہیں۔ انہوں نے بڑا علاقہ گھیر رکھا ہے اس کے بڑے پتے ہیں اُن کی چھاؤں ہے یا کسی بھی عمارت کی دیواروں اُن کی کھڑکیوں اُس کی چھت پہ نظر جاتی ہے۔ لیکن اُس کی بنیاد میں جو زیر زمین طاقت چھُپی ہوئی ہوتی ہے اُس سارے حُسن کو اٹھانے والی وہ ایک طاقت ہوتی ہے۔

تو یہ جو ہمارے گرد میلہ لگ رہا ہے اِس میں ہمارے کسی کمال کو دخل نہیں بلکہ ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے اِس میں وہ طاقت نہیں جو ہونی چاہیئے تھی۔ اِس میں جو خامیاں ہیں جو لوگوں میں کمزوریاں ہیں اور جو لوگوں میں ابھی تک وہ بات باقی ہے۔ جس سے ہمیں دُکھ بھی ہوتا ہے کہ لوگ محض اللہ کے لیے اللہ اللہ کیوں نہیں کرتے ہر آدمی کا، ہر آنے والے کے پاس ایک دنیوی ٹارگٹ ہے کہ یہ ہونا چاہیئے۔ تو یہ کمزوری ہماری وجہ سے ہے اور اتنے لوگوں کا اللہ کے نام پر جمع ہو جانا اِس کا سبب اُن حضرات کی وہ طلب وہ تڑپ اور وہ یہ پارٹی کی جو تقسیم ہے کہ اُن کے نزدیک دین کا کام کرنا جو ہے دین کی اہمیّت تھی باقی چیزیں جزوی ہیں۔ بلکہ مجھے یاد ہے ایک دفعہ ہمیں آزاد کشمیر جانا پڑا اور وہاں بھی اِسی طرح کا ایک بہت بڑا ہنگامہ تھا اور واقعی بہت بڑا ہنگامہ ہوا بھی۔

تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ جانے سے پہلے کسی قدر تھوڑے سے پریشان تھے کہ ہم بہت دُور ہیں اور وہاں شاید ہم کام نہ کر سکیں وہاں لوگ واقف بھی نہیں ہوں گے جائیں کہ نہ جائیں۔ ایک بدمعاش ہوا کرتا تھا وہ بوڑھا ہو چکا تھا حضرت کے پاس آکے بیٹھا رہتا تھا۔ نماز روزہ بھی کرتا تھا۔ حضرتؒ کے ساتھ مقدمے ہی بھگتا رہتا تھا۔ بوڑھا آدمی تھا لیکن چلتا رہتا تھا اُس کی ساری زندگی کا حاصل اُس کے مقدمات ہی تھے وہ آگیا تو حضرت اِسی شش و پنج میں تھے۔ اُس نے کہا کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ فرمایا یار وہاں اس طرح کی بات

ہے مَیں سوچ رہا ہوں جائیں یا نہ جائیں۔ تو کہنے لگا حضرت ہم نے تو ساری عمر بد معاشی کی ہے چوریاں کیں ہیں، ڈاکے کئے ہیں۔ قتل و غارت گری کی ہے جہاں سے کسی اپنے ہم پیشہ کا پیغام آتا تھا ہم سوچا نہیں کرتے تھے کہ وہاں جا کر کیا ہوگا۔ آپ کیوں سوچ رہے ہیں۔ ہم جب بُرائی کرتے تھے۔ ساری زندگی تو جہاں سے کسی چور ساتھی کا، ڈاکو کا یا بدمعاش کا پیغام آتا تھا کہ چوری کرنا ہے ڈاکہ کرنا ہے یا لڑائی کا خطرہ ہے ہم یہ سوچے بغیر کہ وہاں جا کر کیا ہوگا ہم سب سے پہلے وہاں پہنچتے تھے تو آپ کیوں سوچ رہے ہیں آپ کا بھی تو پیشہ ہے۔ آپ کا مشن ہے، آپ تو جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں آپ نیکی کرتے ہیں، آپ دین پھیلاتے ہیں۔ اُس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ وہاں تو پہنچیں۔

تقریباً آنے جانے میں ہفتہ لگ گیا اُس وقت آزاد کشمیر کے لیے سستی ٹرانسپورٹ کا انتظام نہیں تھا۔ سڑکیں کچی تھیں۔ پل بھی عارضی سے تھے۔ گاڑیاں بھی عجیب سی تھیں، پھٹے ٹوٹے لگے ہوتے اور بڑا مشکل۔ تو بڑی خرابی کے بعد وہاں پہنچے تو وہاں بڑا ہنگامہ تھا۔ چار دن اُس ہنگامے کی نذر ہو گئے۔ رلتے پھرتے ہی گزرے، کتابیں جو پاس تھیں وہ بیچ کر ہم نے کرایہ بنایا لیکن واپسی تک مجھے یاد ہے کہ بس میں بھی حضرت کہتے تھے کہ یار محنت تو ہم نے کی۔ ثواب وہ لے گیا۔ یعنی اُن کا اُس سارے سفر پہ جو نگاہ تھی وہ ثواب پر تھی۔ کہ یار کام تو ہم نے کیا لیکن ثواب سارا تو وہ لے گیا۔ آخر آئے تو ہم اُس کے مشورے پر ہیں یہ کوئی فکر نہیں تھی کہ ہمیں کتنی تکلیف ہوئی کتنی مشقت اُٹھانی پڑی۔ کس کس کے ساتھ جھگڑنا پڑا اسیشن کورٹ تک بات گئی پولیس ایکشن ہُوا لوگوں کے ساتھ جھگڑا ہُوا وہ سارے ہنگامے کا کوئی اثر نہیں تھا حضرت کے مزاج پر آپ جو دہراتے تھے کئی دفعہ راستے میں آپ نے بیٹھے ہوئے بات کی تو فرمایا یار کام تو بڑا ہُوا لیکن اِس کا ثواب تو وہ لے گیا ہے۔ اتنی سی بات جو تھی وہ کھٹکتی تھی دل میں کہ کاش ہم اُس کے مشورے کے بغیر چلے آتے ہوتے تو سارا ثواب ہمارا ہوتا اب تو ثواب وہ لے گیا۔ اُس کے کہنے پر ہم آئے حالانکہ ہمیں وہاں سے کوئی پیسہ کیا ملنا تھا کرایہ بھی ہم نے چھوٹے چھوٹے سے بک لیٹ بیچ کر بنایا۔ کئی دن ہمیں وہاں کھانا نہ ملا ایک پولیس کا سپاہی وہاں تھا اُس کے پاس ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ لیکن اُن ساری باتوں پہ کبھی کوئی تبصرہ نہ ہُوا کوئی یہ نہ ہُوا کہ تکلیف ہوئی یا دکھ ہُوا۔

تو یہ وہ خلوص نیت یا وہ دردِ دل جو تھا یہ اگر آج لوگ کچھ ٹوٹے پھوٹے اللہ اللہ کر رہے ہیں تو یہ اُس کا پھل ہے اور یہ اللہ کی شان کہ ہم اُس کا حاصل بنے بیٹھے ہیں لیکن ہم اصل میں اِس کا سبب اور اُس کا مرکز نہیں ہیں۔ محض دیکھنے والوں کے لیے ہم ہیں جہاں تک مَیں سمجھتا ہوں ہماری جو یہ اہمیت کی تبدیلی کسی حد تک آئی ہے اور مَیں نے بہت سے ساتھیوں کو محسوس کیا ہے اور شاید اِسی وجہ سے ہمارے لوگ، ہمارے ساتھی ذکر کی بجائے ذاتی واقفیت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ہر ساتھی یہ چاہتا ہے کہ میری صاحب سلامت میرے ساتھ واقف ہوں کسی کو یہ نہیں ہے کہ مَیں واقف ہوں یا نہیں، سلام دوں یا نہ دوں مجھے برکات ملیں گی یہ سوچنا چھوڑ دیا ہے لوگوں نے۔ حالانکہ بنیادی سوچ یہ ہونی چاہیئے کہ مجھے ذکر کرنا ہے مجھے شیخ سے برکات لینی ہیں اور میرے شیخ میں وہ خلوص ہے کہ جو بیٹھے گا وہ حصہ پائے خواہ وہ ملتا ہے یا نہیں ملتا، ملاقات کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا بات کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا۔ لیکن مقصد جو ہے اُسے بھی اُسی توجہ سے ملے گا جتنا اُس کو ملتا ہے جو بہت زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ یہ بات لوگوں سے آہستہ آہستہ اُٹھتی جا رہی ہے کیوں؟ اِس میں لوگوں کا قصور نہیں ہے۔

اِس میں قصور ہماری اُس سوچ کا ہے کہ جو ہمیں تھوڑی سی

RESPECT دیتا ہے یا جو ہمارے ساتھ چند باتیں کرلیتا ہے یا ہمیں کبھی تحفہ دے دیتا ہے اُس کو ہم اہمیت دیں اور جو یہ کچھ نہ کر سکے ہم کہیں یہ کونسی میری عزت کرتا ہے کہ مَیں اِسے ذکر کراؤں یا اِسے ذکر کرانے جاؤں یا اِسے توجہ دوں۔ تو اگر جو لوگ روحانیات کے عالم میں اللہ نے جنہیں ایک خاص شرف بخشا ہے وہ اتنا بھی سوچیں گے تو آگے چل کر لوگ نماز چھوڑ دیں گے اور دوکانداری کو ترجیح دیں گے۔ وقت ضائع ہوگا اب گاہکوں کا وقت ہے مَیں دکان چلالوں پھر نماز تو لیٹ بھی پڑھ لوں گا۔ دوسرا اِس سے بھی آگے نکل جائے گا۔ جھوٹ بول دے گا۔ تیسرا پیسے لینے کے لیے ملاوٹ کرے گا اور یوں یہ سلسلہ آگے بڑھتا چلا جائے گا جس کی بنیاد ایک ٹیڑھا پتھر ہوگا کہ اوپر جو شخص بیٹھا ہے اُس نے دُنیا کو جائز طریقے سے بھی ترجیح دی تو نیچے والا ناجائز طریقے سے بھی دے لے گا۔

یہ جو روحانی نظام ہے یہ اُس سے زیادہ اِفیکٹیو EFECTIVE ہے جتنا دینوی نظام متاثر کرتا ہے اِس سے یہ کئی گنا زیادہ متاثر کرتا ہے تو اِس اعتبار سے ہمیں بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہیئے۔ مَیں جائز و ناجائز، حلال و حرام کی طرف نہیں جاتا یہ اللہ کریم کا احسان ہے۔ آپ سب حضرات جانتے ہیں مَیں بات پر پارٹی اور اہمیت کی کر رہا ہوں کہ جائز بھی ہو تو اگر دینی کام کی وجہ سے وہ جائز ذریعہ بھی چھوٹ رہا ہو تو وہ نقصان برداشت کرلینا چاہیئے۔ جہاں جہاں ذمہ داری ہو، وہاں آدمی ذکر کرائے، جہاں بیان کی ضرورت ہو وہاں باقاعدگی سے بیان کرے، جہاں جس کے ساتھ جتنی محنت کی ضرورت ہو وہ محنت کرے اور اس کا جو بدلہ ہے وہ صرف اور صرف اللہ کی بارگاہ سے اور اللہ کی ذات سے اُس کی اُمید رکھیں۔ چونکہ قرآن حکیم نے ہر نبی علیہ السلام کی تعلیمات کے ساتھ یہ فرمایا لَآ اَسْئَلُکُم علیه من اَجر۔ مَیں اپنی اِس ساری محنت کا کوئی معاوضہ تم سے نہیں چاہتا اور معاوضہ صرف پیسہ نہیں ہوتا یہ توقع رکھنا کہ لوگ میرا بہت زیادہ ادب کریں یہ توقع رکھنا کہ لوگ میرے سامنے جھک جائیں اور مجھے بہت بڑا آدمی سمجھیں یہ پیسے سے زیادہ مہنگا معاوضہ ہے جو پیسے دے دیتا ہے۔ وہ دوسرے کے سامنے جھکتا نہیں وہ بڑی حد تک مطمئن ہو جاتا ہے کہ اِس نے اگر میرے ساتھ محنت کی تو مَیں نے بھی اِس کا بدلہ دیا تو اِنسانی سوچ یا انسانی ضمیر یا انسان کو اپنے سامنے جھکا لینا یہ تو بہت بڑی بُرائی ہے جسے ہم سمجھتے ہی کچھ نہیں۔

مَیں نے دیکھا حضرتؒ بیمار تھے آپ کو تکلیف ہوتی تھی اعصابی درد ہوتا تھا۔ شروع شروع میں جب ہم لطائف کرتے تو حضرت بیٹھے رہتے تھے اور ہم بڑے زور سے لطائف کرتے تو جب دُعا ہو چکتی۔ تو حضرت کہتے کہ یار مَیں تھک گیا ہوں میرے پٹھوں میں درد ہے میرے بازوؤں میں درد ہے تو ہم بولتے نہیں تھے لیکن ہم دل میں سوچتے تھے کہ لطائف ہم کرتے رہے ہیں درد حضرتؒ کو ہوتی ہے ہمیں سمجھ نہیں آتی حضرتؒ تو بیٹھے رہے۔ آرام سے بیٹھے رہے زور تو ہم لگاتے رہے۔ تو جب اپنی باری آئی تو پتہ چلا کہ واقعی یہ تو بہت مشکل ہے۔

ایک زمانے میں مَیں نے دیکھا کہ ہر دوسرا ساتھی، تیسرے ساتھی سے مٹھیاں بھروا رہا ہے۔ غیر شعوری طور پر ایک فلو نیچے تک چلا گیا۔ پھر مجھے یہ کہنا پڑا کہ آئندہ ہر کوئی اپنی اپنی حیات خود زندہ رہے۔ کسی دوسرے پر بوجھ نہ بنے۔ کوئی دوسرا کسی کو مٹھیاں نہ بھرے۔ خود مجھے اب تکلیف بھی ہوتی ہے تو مَیں احتیاط کرتا ہوں کوشش کرتا ہوں کہ لوگ ٹلتے رہیں اور نہ کریں۔ تکلیف ہے وہ ٹھیک ہے، درد ہو وہ گزر جائے گا۔ لیکن ایک رسم نہ پائی جائے کہ ہر ساتھی دوسرے سے مٹھیاں بھروا رہا ہو شاید آپ کو یاد ہو کہ یہ بیماری ایک بار بہت پھیلی۔ غیر شعوری طور پر یہ چیزیں پھیلتی ہیں۔

یہ ہماری مجبوری ہے ۔ میں آپ کو بتا دوں کھلے لفظوں میں کہ ہم اگر اپنی اہمیت کے خانے میں دین کی جگہ دنیا رکھیں گے تو ہمارے پاس بچنے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہے گا ۔) جس قدر اللہ کی رحمت زیادہ ہے جتنے اللہ کے انعامات زیادہ ہیں اتنی جانچ پڑتال اور ذمہ داری بھی ہے اور ہزار آدمیوں کو جنت لے جانے پر اللہ کریم شاید اتنے راضی نہ ہوں ۔ اگر کوئی ایک آدمی ہماری بد اخلاقی کی وجہ سے جہنم چلا گیا جتنے اس پر اللہ میاں خفا ہوں گے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہزار آدمی کو بحالتِ کفر قتل کر دینے سے ایک آدمی کو مشرف با اسلام کرنا اللہ کو زیادہ پسند ہے ۔ حضرت علیؓ کو ایک جہاد پر جاتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علیؓ یہ بات یاد رکھنا کہ ہزار کافر کو بحالتِ کفر قتل کر کے جہنم میں پہنچانے سے ایک کافر کو مشرف با اسلام کر کے اللہ کے روبرو کھڑا کرنا اللہ کو زیادہ پسند ہے ۔

ہم ایک حساب تو رکھتے ہیں کہ میں نے کتنے لوگوں کو ذکر کرایا میری وجہ سے کتنے لوگ سلسلے میں آئے یہ نہیں شمار کرتے کہ ہماری کوتاہی سے کتنے لوگ سلسلہ چھوڑ گئے یا متنفر ہو گئے یا کتنے لوگ جو ہیں اور اس طرف نہیں آ رہے یہ اگر نہیں کی باز پرس کا موقع آ گیا تو پھر کام مشکل ہو جائے گا ۔ اس کے لیے ایک بنیادی بات جو میں عرض کرنا چاہوں گا ۔ آج کی نشست میں وہ یہ ہے کہ ہمیں اپنی پرایارٹی نمبر ون جو ہے وہ دین کو کرنا ہے دوسرے درجے پر دُنیا ! دوسری بات جو بحمد اللہ ہم نے شروع کی ہے اور میرے خیال میں بہت ضروری ہے کہ ملک بڑی تیزی سے خانہ جنگی کی طرف جا رہا ہے اب آپ کو کسی بڑے سے بڑے ، کسی شریف سے شریف ، کسی اچھے سے اچھے آدمی کی قتل کی خبر پڑھ کر حیرت نہیں ہوتی ۔ یعنی اب ہم اس درجے پر پہنچ گئے ہیں کہ آج کی خبر ہیں اگر ایک شہر میں پچاس سو آدمیوں کے قتل کی خبر آ جاتی ہے ۔ ایک خبر آتی ہے سات دس پولیس والے مارے گئے ۔ دوسری خبر آتی ہے کہ فلاں اہمیت کا شخص مارا گیا تو پھر آدمی اُسے نوٹس نہیں کرتا ، آدمی حیران نہیں ہوتا کہ یار یہ کتنا بڑا ظلم ہو گیا یہ کیسے ہو گیا ، یہ روٹین بن گئی ہے (قوم کے مزاج میں ۔) جب یہ قتل و غارت روٹین بنتی ہے ۔ تو یہ بنیاد ہوتی ہے خانہ جنگی کی ۔ اور خانہ جنگی تباہی کو دعوت دینے والی بات ہے ۔ سب سے زیادہ نقصان جو ہوتا ہے وہ دین کا ہوتا ہے ۔ سب سے زیادہ تباہی جو آتی ہے ۔ وہ دین کی طرف آتی ہے ۔ لوگ جب قتل ہوتے ہیں ، جب لٹتے ہیں تو کوئی انہیں پوچھنے والا نہیں ہوتا ۔ پھر وہ ساری دینداری چھوڑ کر ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنی حفاظت اور دفاع پہ لگ جاتے ہیں ۔ یہ بات بڑھتے بڑھتے انتقام تک پہنچتی ہے ۔ ہر مظلوم انتقام لینا چاہتا ہے تو مظلوم جب اُٹھ کر تلوار ہاتھ میں لیتا ہے تو ظالم سے کروڑوں گنا زیادہ ظلم وہ کرتا ہے ردّعمل کے طور پر ۔ آپ نے قوموں کی تاریخ میں پڑھا ہو گا ۔ کہ یہ کس طرح ہوتا ہے ۔

تو اس کے روکنے کا حقیقی سبب ہے ہی صرف ایک ۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت پر لوگوں کو کاربند کیا جائے ۔ اور حقوق کا وہ راستہ اختیار کیا جائے جو اللہ نے متعین کئے ہیں ۔ حقوق و فرائض کو اُس پیمانے سے ناپا جائے جو اللہ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائے ہیں ۔ بحیثیت مسلمان ویسے بھی ہم پر یہ واجب ہے کہ ہم اُسی پیمانے سے پرکھیں اور اب ہماری یہ ضرورت بھی ہے کہ ہم حقوق اور فرائض کا تعین اُس معیار سے کریں جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے ۔ اگر ہم اپنی رائے سے کریں گے تو ہر آدمی دوسرے کو قتل کرنے کے لیے جواز لیے پھرتا ہے ۔ اس طرح فساد بڑھے گا ۔ فساد ختم نہیں ہوگا ۔ کہ کوئی بھی فساد فساد سے نہیں رُکتا ۔ فساد کو روکنے کے لیے ۔ دُنیا نے بندوق سے لے کر ہائیڈروجن بم تک ایجاد کر لیے کیا لڑائیاں رُک گئیں ؟

بڑھتی گئیں اُس سے زیادہ تباہی پھیلتی گئی۔ زیادہ بربادی پھیلتی گئی، انسانیت مزید تباہ ہوتی گئی۔ اس سارے کو روکنے کے لیے اتباعِ شریعت اور حقوق و فرائض کی وہ تعیین جو شریعت نے دی ہے اُس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ ہوگا کیا؟ خانہ جنگی ہو جائے گی یا رُک جائے گی ہم اِس کے مکلف نہیں ہیں۔ گھر جل جائے گا یا بچ جائے گا۔ ہم اِس کے مکلف نہیں ہیں۔ ہم اِس کے مکلف ضرور ہیں کہ ہمارے دامن میں جو پانی ہے وہ اُس آگ کو بجھانے پہ چھڑکیں ہمارے پاس جو قوت ہے وہ اُسے بجھانے پہ صرف کریں۔) ہم جو مٹی اُس پر ڈال سکتے ہیں وہ ڈالیں۔ آگے وہ بجھتی ہے یا نہیں یہ اللہ کا کام ہے۔ نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ اللہ کو معلوم ہے لیکن ہم مکلف ہیں کہ ہم پورے زور سے اور بغیر کسی درمیان میں وقفہ لیے ہوئے۔ مسلسل اِس کام پہ محنت کریں اور بفضل اللہ لاہور میں جو اجتماع ہوا اِس سلسلے کا الاخوان کا اُس کے بہت حوصلہ افزا نتائج ہیں۔

اور میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ حضرات مل کر کوئی فیصلہ کریں اور اگلا اجتماع جو ہے وہ اسلام آباد میں رکھیں اور اس سے زیادہ لوگوں کو اِس میں دعوت دیں اور مزید لوگوں سے مشورہ کرکے اِسے مزید آگے چلایا جائے تاکہ اللہ کرے اور جتنا جلدی ممکن ہو سکے یہ کیا جائے۔ تاکہ کہیں سے کوئی بات امن کی کہنے والا کوئی امن کی طرف بلانے والا کوئی امن کا لائحہ عمل دینے والا ادارہ بھی ہونا چاہیئے۔ ورنہ آپ مسجد سے لے کر دفتر تک چلے جائیں تو ہر جگہ مرنے مارنے ہی کی بات ہے۔ مساجد میں ہی قتل و غارت کی بات ہوتی ہے۔ جمعہ کے وعظ میں بھی مارنے اور کافر کرنے اور نکال دینے پر ہی ہیں۔ جلسے اور ہجوم بھی اِسی پر ہیں اور جو مساجد سے باہر ہیں وہ تو ظاہر ہے۔ مساجد میں بھی یہی بات ہوگی باہر تو اس سے زیادہ فساد ہوگا۔ ہمارا عجیب مزاج بن گیا ہے ہم چاہتے ہیں کابل میں جہاد ہو، ٹھیک ہے، ہو، ہم چاہتے ہیں کشمیر فتح ہو جائے ہو جائے، فلسطین آزاد ہو جائے، ہو جائے۔

لیکن میرے بھائی جس ملک کو آپ بنیاد بناتے ہیں اگر یہی ملک تباہ ہو رہا ہے تو پھر یہ باقی فتوحات کیسے ہوں گی؟ آپ یہ ساری بات کرتے ہیں۔ کابل میں جہاد جاری ہے تو بنیاد پاکستان کو بناتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کشمیر فتح ہو جائے تو بنیاد پاکستان کو بناتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں فلسطین آزاد ہو جائے تو بنیاد تو ملک کو بناتے ہیں اور جب خدانخواستہ ملک ہی تباہ ہو رہا ہے تو یہ باقی ثمرات کہاں؟ جب جڑ کٹ رہی ہو تو آپ کہیں اس درخت کا پھل آنا چاہیئے۔ اس درخت پر بُور آنا چاہیئے اِس درخت پر پتے! تو سرے سے اُسے کوئی جڑ سے کاٹ رہا ہے۔ پہلے تو اس کی جڑ بچاؤ پہلے تو اُس کی حفاظت کا خیال کرو پہلے تو یہ تحفظ کرو کہ یہ خود تو بچ جائے پھر سوچو اِس پہ پھل آتا ہے یا نہیں آتا۔ یہ سارے خارجی اثرات ہم سوچتے ہیں یہ ثمرات ہیں جو لوگ وہ کام کر رہے ہیں اُنہیں کرنے دو۔ لیکن آپ سب مل کر، اِس کی بنیاد پہ جو حملہ ہو رہا ہے، اِس کی جڑ کو جو گھن لگ رہا ہے، جو دیمک لگ رہی ہے، اِس کے دفاع کا بھی سوچو۔ اس قوم کو اِس طرف بلایا جائے۔ اور سب سے پہلے خود اپنایا جائے جیسے الاخوان کا منشور ہے۔ اگلی مجلس میں آپ ایسے علماء نامزد کریں جو اپنی اپنی جگہ فیصلہ دینے کی اہلیت رکھتے ہوں اور ایسے لوگ کوئی نہ کوئی سٹرکچر، کوئی نہ کوئی ایسا ادارہ، کسی خاص جگہ کو مارک کرلیں، کہیں سے تو افتتاح ہو۔ کہیں سے تو شروع ہو، کسی جگہ سے، کسی ایک علاقے سے، کسی ایک شہر سے، کسی ایک گاؤں سے تو شروع ہو تاکہ وہ باہر پھیلایا جا سکے۔

یہ دو باتیں جو آج اُس ایجنڈے کی مجھ سے کہی گئیں اس پر کچھ بات کی جائے تو الحمد اللہ اِن کے لیے میں چند حروف عرض کرنا چاہتا تھا۔ تیسرا ایک فیصلہ میں نے یہ کیا ہے کہ ہم چونکہ پورے ملک میں کوشش کرتے ہیں ناداروں تک کچھ ادویات کچھ میڈیکل ایڈز کچھ طبی امداد پہنچ سکے اور وہ ہم مسلمان کافر کی تمیز کیے بغیر

محض انسانوں تک کوشش کرتے ہیں تو اُس سب کا مرکز چونکہ دارالعرفان ہے۔ دارالعرفان کے ارد گرد لوگ بڑی بے بسی اور بے کسی کی موت مرتے ہیں۔ ہمارے پاس پچھلے دنوں کچھ مریض آئے ایک خاتون مریضہ تھی جس کا بلڈشوگر بڑھتے بڑھتے چار سو سے تجاوز کر گیا اور پھر کسی کو یہ توفیق نہیں کہ اس کا بلڈشوگر لیول ہی چیک کرادے۔ اتنے وسائل نہیں، اتنے سورسز نہیں۔ وہ ہسپتال میں آئی تو الحمداللہ دو تین دن محنت کرکے ڈاکٹروں نے شوگر تو کنٹرول کرلی۔ لیکن اِن کے کنٹرول کرنے سے پہلے شوگر کی یہ زیادتی اُس کے گُردے بھی تباہ کرچکے تھے اور تیسرے چوتھے دن وہ گردوں کے کام چھوڑ جانے سے مرگئی۔ اِسی طرح کے تین چار کیس اُوپر تلے آئے۔) اِن میں معمولی بات تھی۔ دو چار پیسے کی گولی اُس آدمی کو اگر صبح و شام ملتی رہے تو پھر شوگر کنٹرول ہو جاتی۔ مہنگی دوائی بھی نہیں تھی۔ ایک عام سی دوا تھی۔ روپے کی دس گولیاں آجاتی ہیں ایک گولی صبح کھائی جائے تو کنٹرول ہو جاتی ہے۔ لیکن کوئی اُسے بتاتا کوئی چیک کرتا، کسی ڈاکٹر تک پہنچ پاتی۔ تب پتہ ہوتا اُسے، اُس کے وسائل بھی اتنے نہیں تھے۔ تو مَیں نے یہ سوچا کہ ہم نے ایک کاروباری ادارہ تو بنا رکھا تھا لیکن اِس کاروبار کی بجائے جو میرا ذاتی تھا ڈاکٹر رشید اور مَیں ذاتی طور پر اِس ہسپتال کو چلا رہے تھے وہ دارالعرفان کے سامنے ہے۔ تو مَیں نے یہ طے کیا کہ ہم اِسے بھی ادارے کا ایک حصّہ ایک ٹرسٹ بنادیں جس میں ہر آدمی غریب، فقیر، جس کے پاس پیسے نہ بھی ہوں جو بھی یہاں پہنچے کم از کم ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر کی وہ تشخیص تو میسّر ہو جائے۔ ڈاکٹر اُسے دیکھ تو لے اور جو دوا وہاں میسّر ہے وہ اُسے دے دے۔ نہ مل سکے لکھ کر کوئی دے دے۔ اُسے ملے نہ ملے کم از کم اُسے کوئی چیک اپ تو کرے۔ اُسے بتا تو سکے چونکہ اگر ہم پورے ملک میں یہ چیز پھیلا رہے ہیں تو جہاں مرکز ہے وہاں بھی تو کچھ ہونا چاہیئے اور یہ چیز مَیں نے محسوس کی ہے کہ اِس کی بڑی کمی ہے۔ مرشد آباد بھی اگر یہ قائم ہو جائے تو ہم مہینے میں ایک آدھ دن یا دو دن ڈاکٹروں کا وہاں بھی رکھیں اور لوگوں کو پتہ ہو تاکہ لوگ آکر وہاں بھی مستفید ہوسکیں۔

اور اِس طرح سے اِس کی بنیاد بنائی جائے تو اُس کا ڈاکٹروں نے اندازہ کیا تھا کہ اِس پہ دس سے بارہ ہزار ماہوار خرچ اُٹھے گا۔ اگر ہم کچھ بھی نہ کریں بہت معمولی اور بہت تھوڑا رکھیں۔ تو جوان کی توقعات تھیں اِس میں کتنے مریض آجائیں گے یا جو ڈسپنسر وغیرہ کو تنخواہ دینا پڑے گی یا کچھ اِس طرح جو ملاکر انہوں نے کم از کم اسٹیمیٹ کیا تھا وہ یہ ہے اور یہ بہترین مصرف ہے صدقات کا بھی، زکوٰۃ کا بھی۔ اِن پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ اِس کا ایک الگ اکاؤنٹ بنادیں جس میں ڈاکٹر کے ساتھ جائنٹ اکاؤنٹ رکھیں گے۔ اِس میں ہمارے فنڈز اگر دواؤں سے سرپلس ہوں تو اُس کو بڑھا دیا جائے اور توسیع کی جائے۔ اِس طرح وہ ایک ادارہ بنتا جائے۔ اُس میں کوئی عطیہ دیتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے یا صدقات دیتا ہے۔ تو وہ اُسی شعبے میں جائے اور صرف اُسی کام آئے۔ ہم کوشش کریں گے کہ اگر کوئی صاحبِ حیثیت آتا ہے تو وہ اپنی طرف سے اُس میں پیسے دے لیکن غریب کو، کسی مفلس کو، کسی فقیر کو یہ خطرہ نہ ہو کہ بغیر پیسے کوئی نہیں پوچھے گا وہ بے تکلف وہاں آسکے۔ اُس کا چیک اپ ہو، اُس کا علاج ہو، وہ ذکر کرتا ہے، نہیں کرتا، نماز پڑھتا ہے نہیں پڑھتا۔ یہ دوسرا شعبہ ہے۔ لیکن بحیثیت انسان وہ کس ہمدردی کا مستحق ہے۔ ایک غریب مسلمان ہونے کے اُس کی مدد ضرور کی جائے۔ اُس کے لیے مَیں یہ چاہوں گا کہ آپ حضرات جو ضلعی امراء ہیں۔ آپ اپنے اپنے ضلع کا حصّہ اُس میں مقرر کرلیں اور اُسے باقاعدہ فیڈز کریں۔ پہلے سے جو ہمارا الفلاح کا سسٹم چلتا ہے اور دوسرا بھی۔ وہ رضاکارانہ کسی نے کچھ بھیج دیا، ٹھیک ہے نہیں بھیجا ٹھیک ہے۔ اُس میں تو یہ ہوتا ہے کہ اُس شعبے میں جو اخراجات ہوتے ہیں وہ ہم آمدن دیکھ کر کرلیتے ہیں۔ جتنی آمدن آگئی اتنے آگے اخراجات کرلیے

نہ آئی نہ سہی۔ لیکن اگر یہ شروع ہو گیا تو اس کو ہم اس طرح تو نہیں کر سکتے کہ اس مہینے کسی نے پیسے نہیں دیے تو اس مہینے دوائی نہیں لیتے اگلے مہینے آجائیں گے تو دے دیں گے یہ ایسا شعبہ نہیں ہے اس میں تو مسلسل ایک تسلسل سے اسے جاری رہنا چاہیئے۔ اس لیے جتنے صاحب مجاز حضرات ہیں یا جو ضلعی امراء ہیں یہ باقاعدہ اہتمام سے اس کے لیے عطیات جمع کریں اور اس کے لیے فنڈز پیدا کریں۔ اس کا فنڈز الگ رہے گا۔ جو سارا اسی پہ خرچ ہوگا اس کی ایک ترتیب یا ایک نظم بنالیں اور باقاعدہ اس کی ترسیل جاری رہے۔

یہ تین باتیں تھیں جو میں نے عرض کرنی تھیں۔ اللہ کریم سب کو نیک توفیق دے۔

(منگر مخدوم ۴ر اکتوبر ۱۹۹۱ء۔ جنرل کونسل اور صاحب مجاز حضرات سے خطاب۔)

دل منور ہو جو محسوس تو کر سکتا ہے
کون کہتا ہے کہ اللہ کو دیکھا بھی نہیں

ذکر اس کا جو رگ و پے میں سما جائے گا
ایسا شعلہ سا اٹھے گا جو بجھے گا بھی نہیں

امتیاز احمد

پروفیسر حافظ عبدالرزاق

کی اسلامی طرزِ نظام پر انقلابی تصنیف

اسلام اور جمہوریت ——— قیمت : ۵ روپے علاوہ ڈاک خرچ

اسلامی نظام ——— قیمت : ۱۰ روپے علاوہ ڈاک خرچ

اویسیہ پبلشرز : اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

اویسیہ کتب خانہ : الوہاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار۔ لاہور

فقیر مولانا محمد اکرم اعوان

سفرِ مشرق

کشف اور اُس کی کیفیات

ویدر گونس
۹۲-۱-۲۵

رات کے ساڑھے دس بج رہے ہیں جبکہ ہم کل ساڑھے سات بجے شام ڈھاکہ سے روانہ ہوئے تھے۔ رات بھر لانچ میں سوار پانی میں رہے اور آج دن ڈیڑھ بجے ڈامنڈا پہنچے۔ جو شریعت پور ضلع کا سب ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہے، تھک چکے تھے۔ مگر آرام کا وقت نہ تھا کچھ کھایا پیا ظہر ادا کی۔ گلے میں سوزش ہو گئی تھی جو ڈاکٹر کو دکھائی دوا لی اور عصر ہو گئی۔ یہاں ایک اجتماع عام تھا اُدھر کو چلے پیدل۔ اِس لیے چلے کہ کہا گیا چوتھائی میل فاصلہ ہے۔ مگر میل بھر چلنے کے بعد پُوچھا تو ابھی تقریباً نصف راستہ باقی تھا۔ مغرب جلسہ گاہ میں پڑھی۔ بیان کیا، ذکر کرایا۔ لوگوں کی بعیت کی اور ایک گھر میں خواتین جمع تھیں۔ جن سے بعیت لینے گئے اور پھر سائیکل رکشوں پر سوار چل دیئے۔ کل شام ڈھاکہ سے چٹاگانگ جانا ہے اور دن کو وہاں پہنچنا ضروری ہے۔ لہٰذا اِس عجیب و غریب سواری پر یہاں ویدر گونس رات ساڑھے دس بجے یعنی ابھی پہنچے ہیں۔ جو ایک دوسرا سب ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہے تو میں یہ چند سطور رکھنے لگا ہوں کہ شاید پھر یہ سب کچھ ذہن میں نہ رہے۔ ممکن ہے الفاظ میں رابطہ یا جملوں میں حُسن نہ ہو مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ احباب اس بات پر توجہ دیں کہ اُمورِ دُنیا میں صُوفی کا کشف کس طرح سے ہوتا ہے، اور اس کی تعبیر کتنی مشکل خصوصاً وہ ساتھی جو صاحب کشف ہیں اور دوسروں کے معاملات دُنیا کے لیے کشفاً جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ احباب بھی توجہ فرمائیں جو ان کو اس کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ غالباً مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے سوال کیا گیا تھا کہ کیا صُوفیوں کا کشف غلط ہوتا ہے۔ تو فرمایا ہرگز نہیں۔ جو کشف نبیؐ کو حاصل ہوتا ہے وہی صُوفی کو ہوتا ہے۔ ہاں صُوفی کو سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے جبکہ نبیؐ کو غلطی نہیں لگتی، صُورت یہ ہوتی ہے کہ نبیؐ کو اگر ایک منزل یا مکان دکھایا جائے تو اس کے اندر لے جا کر ایک ایک تفصیل دکھائی جاتی ہے اور صُوفی چونکہ نبیؐ کے اتباع اور اطاعت سے دیکھتا ہے تو دیکھتا تو وہ بھی وہی ہے۔ مگر تفصیل اور تعبیر سمجھنے میں اکثر ٹھوکر کھانے کا امکان رہتا ہے کہ اِس کا دیکھنا ایسے ہوتا ہے جیسے ذرا فاصلے سے وہی مکان دکھا دیا جائے۔ مَیں یہ سب تھکاوٹ اور طبیعت کی ناسازی کے باوجود اِس لیے لکھ رہا ہوں کہ مجھے خُود ایک کشف کو سمجھنے میں تین سال لگ گئے اور آج سمجھ آئی۔ ہُوا یہ کہ سلسلہ کے ایک ساتھی جو اکثر رُوحانی طور پر میرے ساتھ ہم سفر ہوتے ہیں اور ہر معمول میں ہوتے ہیں اور

عجیب بات ہے دُنیا کے دُور دراز حصّوں میں جہاں صرف مشائخ ہوتے ہیں یا مقامی لوگ وہاں وہ بھی ساتھ ہوتے ہیں۔ اگرچہ میرے شاگرد ہیں مگر معمولات میں ضرور ساتھ ہوتے ہیں اور گذشتہ کئی سالوں سے یہ انہیں نصیب ہے۔ کوئی تین سال پہلے ایک روز بتانے لگے کہ مَیں دیکھتا ہوں پانی پانی ہرطرف ہے اور مَیں اس میں بہتا جا رہا ہوں۔ نہ جانے کیسی عجیب شے پر سوار اور یہ سفر ختم ہی نہیں ہو پارہا پھر دیکھتا ہوں کہ جنگل بیابان ہے جو سخت تاریک ہے کوئی راستہ نہیں ملتا اور عجیب نشیب و فراز ہیں۔ مَیں ان میں جارہا ہوں اور یہ سب دیکھ کر وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ شاید پاگل ہوجائے گا اور یوں دھکے کھاتا پھرے گا۔ مگر مجھے اس کی یہ تعبیر پسند نہ آئی بھلا

ایک اچھے بھلے نفیس اور نفاست پسند بندے کو اللہ کریم پاگل کیوں کریں گے۔ اس پر اللہ کا بہت کرم ہے بہرحال ہوگا کیا؟ اور دُرست تعبیر کیا ہے یہ مَیں بھی نہ سمجھ سکا اور اس سب کو اُس کا وہم ہی سمجھتا رہا مگر رات جب دریا میں دُھند نے ہماری کشتی کو رُکنے پر مجبور کر دیا اور دریا کا پاٹ بیس سے پچیس میل تک پھیلا ہوا تھا نہ سمت کا اندازہ نہ بوٹ میں کوئی کمیونیکیشن سسٹم نہ وائرلیس اور نہ کوئی دُوسرا ذریعہ کہ دُوسری بوٹس بھی تو جہاں تھیں رُک چکی تھیں۔ اسی حال میں تہجّد کے بعد جب ذکر ہوا تو مجھے اس کی رُوح اپنے ساتھ ذکر میں دیکھ کر خیال آیا کہ تین برس پہلے اس نے اس حال کا مشاہدہ کیا تھا۔ پھر دن بھر کے ہنگاموں کے بعد رات کی تاریکی میں ہم ڈامنڈا سے یہاں ویدر گونس تک جس حال میں آئے اس نے بھی اس کے کشف کی تصدیق کر دی کہ گھُپ اندھیرا ہرطرف درختوں سے گھرا ہُوا کچا راستہ اور جنگل جس میں بہت خطرناک نالے اور نشیب و فراز اور ہمارا قافلہ سائیکل رکشوں پہ تھا۔ جن پر سے کبھی اُترنا پڑتا پھر عارضی سے پُل پر سے رکشہ گذارتے اور ہم پیدل گذر کر دوسری طرف سے پھر سوار ہوتے۔ ہیبت ناک سنّاٹا جس میں کبھی کبھی نشیب سے مینڈک کے ٹرّانے کی آواز آتی اور بس۔ تو مَیں اس کے کشف کی تعبیر سمجھ رہا تھا کہ اس کا مشاہدہ کسی تعبیر کا محتاج ہی نہ تھا بلکہ اس کی رُوح کو میرے ساتھ جہاں جہاں گذرنا تھا اس حال کو اس نے تین سال پہلے دیکھ لیا۔ بات صرف اتنی تھی کہ وقت کا فاصلہ ہماری سمجھ میں نہ آیا اور نہ یہ سوچا تھا کہ ایسا بھی کوئی سفر ہوگا تو عرض یہ ہے کہ کشفاً نظر تو بہت کچھ آسکتا ہے۔ مگر اس کا مفہوم جاننا اتنا آسان نہیں اور نہ ہی کوئی مسلمان کشفاً دیکھ کر کام کرنے کا مکلّف ہے بلکہ ظاہری اسباب کو دیکھ کر شریعت مطہرہ کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ ذکرِ الٰہی تو اللہ کی رضا کے لیے اور خشوع و خضوع کے حصُول کے لیے کیا جاتا ہے۔ جو قبولیت عبادت کی شرائط ہیں۔ مگر دل جب صاف اور منوّر ہوتا ہے تو بہت دُور دُور تک دیکھنے بھی لگتا ہے۔ اگر اللہ کریم یہ نظر عطا کر دے تو اس کا بہتر مصرف تجلیاتِ باری کا دیکھنا ہی ہے۔ اُمورِ دُنیا کو اِس نگاہ سے دیکھنا نہ تو ضروری ہے اور نہ مناسب۔ نیز اگر دیکھا جائے تو اکثر ٹھوکر ہی لگتی ہے۔ لہٰذا صاحبِ کشف احباب سے بھی یہ کہوں گا کہ ذرا احتیاط ہی کریں تو بہتر ہے۔ اور وہ احباب جو ان سے اپنے اُمور کے بارے اصرار کیا کرتے ہیں اللہ کرے یہ سمجھ سکیں کہ کشف ان اُمور کے لیے نہیں ہوتا۔ نیز ان باتوں کو سمجھنا بھی آسان نہیں۔ کہ ایک معمولی واقعہ کو تین سال بعد مَیں بھی تب جان سکا جب وہ ظاہر ہُوا اور اُمید ہے جس ساتھی نے یہ دیکھا تھا ان سطور کے پڑھنے سے وہ خود بھی سمجھ لینے کے قابل ہوگا۔ وما علینا الا البلاغ۔

اسلام میں معذور افراد کے حقوق

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی ۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

معذوری انسان کے لیے ایک بہت بڑی آفت ہے۔ کتنے ہی معذور افراد مجبور بھی ہوتے ہیں اور مقہور بھی۔ وُہ معاشرے اور ملک کے لیے بوجھ بن جاتے ہیں۔ دی ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا (مطبوعہ شیکاگو ریاست ہائے متحدہ امریکہ ۱۹۸۸ء) کا فاضل مقالہ نگار معذوری کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے (جلد ۹ صفحہ ۵۴ ملاحظہ ہو)

> Handicapped is a term used to describe people who have a physical or mental disability that interferes with their leading a happy, productive life. Physical disabilities include blindness, deafness, deformity, muscle and nervous disorders, paralysis, and loss of limb. There are two general kinds of mental disabilities, mental illness and mental retardation.

یعنی معذوری وُہ اصطلاح ہے جس سے مُراد وُہ لوگ ہیں وُہ جسمانی و ذہنی لحاظ سے ایک خوش آیند زندگی نہیں گزار سکتے۔ جسمانی اور ذہنی معذوری کئی صورتوں کی ہو سکتی ہے۔ مثلاً

(۱) اندھا پن
(۲) بہرہ پن
(۳) اعصابی معذوری
(۴) اعضاء کا ٹیڑھا پن
(۵) فالج
(۶) اعضاء جسمانی کا ضائع یا تلف ہو جانا۔

تاریخی پس منظر

امریکہ میں تقریباً ۳۵ ملین (۳ کروڑ ۵ لاکھ) معذور افراد موجود ہیں۔ بعض دفعہ بیماریوں سے بھی معذوری واقع ہو سکتی ہے شلاً دل کی بیماریاں۔ اس سے فالج بھی ہو سکتا ہے۔ اعصابی یا نفسیاتی اُلجھنیں اور تکالیف بھی بیماری کی شکل اختیار کر لیتی ہیں جس سے اندھا پن، بہرہ پن اور دیگر جسمانی اُلجھنیں بھی پیدا ہو سکتی ہیں ٹریفک کے حادثات یا روزمرہ زندگی میں دیگر حادثات بھی معذوری کا سبب بن جاتے ہیں۔ حادثات سے اعضاء ضائع بھی ہو سکتے ہیں۔ ریڑھ کی ہڈی کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے یا اس کے جسمانی نقصانات ہو سکتے ہیں۔ جسمانی معذوری کے باوجُود بعض شخصیات اسے اپنی قوتِ ارادی سے ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیتیں شلاً مصر کا سابق وزیر تعلیم اور ادبیات کا پروفیسر ڈاکٹر طٰہٰ حسین جو مشہور شاعر اور ادیب بھی تھا بچپن ہی سے اندھا تھا۔ اُس نے ادبیات (لٹریچر) میں فرانس سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی مشہور انگریزی شاعر جان ملٹن جو فردوس گم گشتہ (PARADISE LOST) کا خالق تھا بنیادی طور پر اندھا تھا۔ مشہور جرمن موسیکار لڈوگ فان بیتھوفن بہرہ تھا جبکہ امریکہ کا صدر روزولٹ ۳۹ سال کی عمر میں پولیو کی وجہ سے اپنی ٹانگوں سے معذور ہو گیا تھا۔ یہ وُہ ہستیاں تھیں۔ جنہوں نے معذوری کا دلیرانہ مقابلہ کیا اور زندگی میں انتہائی کامیاب انسان بن کر اُبھرے۔ ایک معذور شخص کو مختلف قسم کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ذاتی زندگی میں انہیں بے شمار تکالیف اُٹھانی پڑتی ہیں۔ ذاتی کام تک نہیں کر سکتے۔ مثلاً معذور افراد بعض دفعہ اپنا لباس بھی خود زیب تن نہیں کر سکتے۔ نفسیاتی مسائل اور اُلجھنیں انہیں گھیر لیتی ہیں۔ زندگی بیکار ہو جاتی ہے۔ نہ کھیل نہ ذاتی مشاغل میں شمولیت کتنی بدنصیبی! حرماں نصیبی! معذوروں کی بحالی تین طریقوں سے ہو سکتی ہے۔

(۱) طبّی امداد اور ادویات
(۲) سپیشل ایجوکیشن

(۳) فنی تعلیم

ماہرین نفسیات اور ماہر ڈاکٹر صاحبان کے ذریعہ مدد لی جا سکتی ہے۔ ماہر اساتذہ کی خدمات حاصل کر کے مخصوص اداروں میں جو معذوروں کے لیے مختص ہوں وہاں اندھے طلباء اور دیگر معذوروں کے لیے خصوصی تعلیم کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک کہ فنی تعلیم کا تعلق ہے بیرونی ممالک میں تو اندھے معذور کمپیوٹر پر بھی کام کر سکتے ہیں

دی ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا کا فاضل مقالہ نگار لکھتا ہے کہ قدیم دَور میں معذوروں کی بحالی کے لیے کوئی انتظام نہیں تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ ایسے لوگ آسیب زدہ ہوتے ہیں۔ قدیم یُونان اور رُوم میں یہ رواج تھا کہ معذور بچوں کو پیدا ہوتے ہی چھوڑ دیا جاتا۔ ننگے بچوں کی موت واقع ہو جاتی۔ جنہیں باہر ہی پھینک دیا جاتا۔ قدیم رُوم میں ایک معذور بچہ جس کے اعضاء خراب ہوتے قانونی طور پر اجازت تھی کہ ایسے بچے کو پانی میں ڈبو کر مار دیا جائے قرون وسطیٰ میں (۴۰۰ء سے ۱۵۰۰ء کے دوران) یہ صورتِ حال تھی کہ معذوروں کو مسخروں کی طرح محفلوں میں لایا جاتا اور ان کی تضحیک کی جاتی۔ بعض معذوروں کو جلا دیا جاتا۔ ۱۸۰۰ء کے دوران معذوروں کی حالت بہتر ہونے لگی۔ تاہم ایسے معذوروں کو معاشرے سے دُور رکھا جاتا۔ شرم کی وجہ سے اہل خانہ انہیں گھر میں ہی رکھتے تاکہ وہ میل جول سے دُور رہیں ۱۹۰۰ء کے وسط میں معذوروں کی یہ حالت تھی کہ اگر کمر کا فالج ہو جاتا تو علاج نہ ہونے کی وجہ سے موت واقع ہو جاتی۔

۱۹۴۰ء میں اینٹی بائیوٹک کی وجہ سے معذوروں کا علاج آسان تر ہو گیا جنگ عظیم دوم کے بعد ۱۹۴۵ء میں اور اس کے بعد کثیر تعداد میں فوجی معذوروں اور سویلین لوگوں کے علاج کے لیے خصوصی کاوشیں کی گئیں علیحدہ ہسپتال بنے اور اس طرح بے شمار شعبہ جات جو معذوروں کی بحالی اور علاج میں مصروف ہو گئے امریکہ میں ۱۹۷۰ء کے ایسے قوانین بنے جن سے معذوروں کی بحالی کا سلسلہ چل نکلا معذور بچوں کے لیے مفید تعلیم کا انتظام ۱۹۷۵ء کے قانون کے مطابق کیا گیا۔ اس قسم کے فلاحی پروگرام کینیڈا جیسے ممالک میں بھی شروع کیے گئے یورپ اور دیگر ممالک میں بھی ان بچوں اور افراد کے لیے کاوشیں شروع ہو گئیں اس موضوع کو تفصیل سے دیکھنے کے لیے کومبز، جون ہیریز اور جیمز ہاسکنز کی تصانیف کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

پاکستان میں معذوروں کی بحالی کے لیے اصل کام جنرل ضیاء الحق کے دور میں شروع ہُوا۔ علاوہ ازیں حکومت پاکستان کی وزارت سوشل ویلفیئر اور دیگر صوبہ جات کے سوشل ویلفیئر کے محکمہ جات اور بے شمار فلاحی تنظیمیں اپنی مدد آپ کے تحت اور حکومت کے تعاون سے معذوروں کی بحالی اور تعلیم کے اداروں کو چلا رہی ہیں مثلاً راولپنڈی میں فوجی فاؤنڈیشن کے تحت ہسپتال (جو فوج کا ادارہ ہے اور ان معاملات میں خود مختار ہے) یا میو ہسپتال لاہور میں معذوروں کے لیے ورکشاپ یہ نہایت اہم شعبہ ہے۔ جس کی طرف حکومت کو زیادہ سے زیادہ توجہ دینی چاہیئے۔

انقلاب فرانس کے بعد نابینا حضرات کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ انہیں دستکاری کے کام سکھائے گئے۔ یورپ میں مشنری تنظیموں نے بڑا کام کیا۔ کوڑھ کے مریضوں کے لیے مدر ٹریسا نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ انہیں نوبل انعام بھی ان خدمات کے پیشِ نظر ملا۔ مشرق میں بودھ مت کے کئی علماء کا ذکر ملتا ہے جو نابینا تھے۔ مصر کے عالم صلاح الدین الصفدی نے اپنی کتاب نکت الہمان میں ایسے ۲۰۰ نابینا افراد کا ذکر کیا ہے جو شعر و شاعری کرتے تھے۔ یہ اپنے موضوع کی پہلی کتاب ہے۔ مولانا اسلم جے راجپوری نے بھی اپنی کتاب (نوادرات) میں نابینا شعراء کا ذکر کیا ہے تفصیل کے لیے کولنز انسائیکلو پیڈیا معذوری کی مختلف انواع کا ذکر پڑھا جا سکتا ہے۔

نبی اکرم صلعم اور معذور افراد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین بن کر اس دُنیا میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ صلعم نے معاشرے کے ہر بے نوا طبقے کی طرف

خصوصی توجہ فرمائی۔ معذوروں کی نگہداشت اور اُن کے حقوق کی بالخصوص پاسبانی فرمائی۔ پہلی مرتبہ نابینا افراد کو مساوی حقوق عطا فرمائے احادیث کی کتب میں بے شمار محدثین اور راویانِ حدیث ایسے ہیں جو نابینا تھے۔ اسماء الرجال میں ان کی تفصیل ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

قرآنِ حکیم میں معذور افراد کا ذکر

قرآنِ حکیم میں معذوری کا تذکرہ بے شمار آیات میں آیا ہے مثلاً ایک جگہ ارشادِ ربانی ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی - (آیات ۲-۱)

ترش رُو ہوا اور بے رُخی برتی اس بات پر کہ وُہ اندھا اُسکے پاس آیا۔

سورۃ فاطر میں ارشاد ہے (آیت ۱۹ ملاحظہ ہو)

"وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ"

اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہیں۔

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۸ میں ارشاد ہے

"صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ"

"یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں یہ اب نہ رُکیں گے۔

معذور افراد وُہ ہیں جو حواسِ خمسہ سے محروم ہوتے ہیں یا کچھ حواس سے محروم ہوتے ہیں۔ مثلاً قوت لامسہ، قوت سامعہ، قوتِ باصرہ وغیرہ۔ گونگا پن، بہرہ پن، لنگڑا پن، لولا پن، ذہنی امراض وغیرہ سب معذوری ہیں۔

دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک نابینا صحابی نظر آتے تھے۔ جن کا اسم گرامی حضرتِ عبداللہ بن ام مکتومؓ تھا۔ سورۃ میں بھی ان کا ذکر آیا ہے حضرت ابن مکتومؓ حضرتِ خدیجہؓ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق نابینا حضرات نماز باجماعت سے مستثنیٰ نہیں تھے تاریخ طبری میں بھی ایک نابینا صحابی حضرت ابو احمد بن حبشؓ کا ذکر ملتا ہے۔ جنہوں نے ہجرت مدینہ کی۔ حضرتِ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حج کے موقع پر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی جذعا پر طواف فرماتے اور حضرت ابن امّ مکتومؓ نکیل تھامتے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس دورِ مبارکہ میں معذور افراد سے باقاعدہ کام لیا جاتا، ان کی عزت افزائی کی جاتی اور انہیں بے کار نہ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ چلو۔ بنی واقف کے ایک شخص کی عیادت کریں جو نابینا تھے۔ اس حدیث شریف سے بھی معذور افراد کے حقوق کی پاسبانی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارکہ میں معذور افراد سے تبلیغ کا کام لیا جاتا تھا۔ اس کی ایک مثال حضرتِ ابنِ اُمّ مکتومؓ کی ہے جو بطور مبلغ اسلام اپنے فرائض انجام دیتے حضرت ابن عمرؓ کے قول کے مطابق ہمیں دو مؤذنوں کا ذکر ملتا ہے حضرتِ بلالؓ اور حضرت ابن امّ مکتومؓ۔ تاریخ اسلام کی کتب میں ۱۳ مقامات کا ذکر ملتا ہے جہاں حضرتِ ابن امّ مکتومؓ موجود تھے مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر جنگِ بدر میں۔ مدینہ شریف میں حضرتِ ابن امّ مکتومؓ نماز باجماعت بھی پڑھایا کرتے ہیں۔ ان جلیل القدر صحابی حضرت ابن امّ مکتومؓ کی خدمات اس قدر ہیں کہ آپ نے جنگِ قادسیہ میں شمولیت کا اظہار کیا۔ جذبۂ جہاد اس قدر تھا کہ منع کرنے کے باوجود آپ جنگ قادسیہ میں بطور علمدار شامل ہوئے جسمِ مبارک پر ضربات آئیں اور جامِ شہادت نوش کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ایسے معذور شخص کی خدمات اور جذبے کی مثال تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔

دربارِ رسالت مآب اور معذور صحابۂ کرامؓ

دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے صحابۂ کرام تشریف لائے جو معذور تھے لیکن باقاعدہ طور پر روزگار بھی کرتے تھے۔ مثلاً ان پیشوں سے منسلک تھے۔ زراعت، تجارت، لوہاری، اونی کپڑا بننا۔ ہتھیار سازی، بیوپار وغیرہ۔ فتاویٰ عالمگیری اور ابنِ خرم کی شہرۂ آفاق (المحلی) میں ذکر ہے کہ معذور لوگوں سے بیع کے معاملات طے کیے جا سکتے ہیں۔ معذور لوگوں سے کاروباری معاہدات

جائز ہیں۔ اگر وہ ذہنی مریض ہوں تو پھر ان کا ولی یا گارڈین ان کی طرف سے کاروباری معاہدات کرے۔

اسلام میں گداگری حرام ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ یہ گورنمنٹ کا فرض ہے کہ انہیں روزگار مہیا کرے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے"۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بھکاری کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ معذور افراد اُسی صورت میں گداگری سے باز آئیں گے۔ جب گورنمنٹ انکی مکمل کفالت کرے
سورۃ الحجرات میں معذور لوگوں کی دل آزاری سے منع کیا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

"وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَاب"

"اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو" (آیت ۲۲)

کسی کو اندھا یا لنگڑا یا کانا کہنا ممنوع ہے (القرآن جلد ۵ صفحہ ۸۶)
لہٰذا ان کے القاب نہ رکھے جائیں۔ جیسے اندھے یا لنگڑے۔ قرآن حکیم اور سنت مبارکہ خدمت خلق کا درس دیتے ہیں۔ معذور لوگوں کی کفالت حفاظت، رہنمائی اور مدد بہترین قسم کی خدمت خلق ہے۔ اسلام حقوق العباد میں انکی مدد کو خصوصی اہمیت دیتا ہے۔ نہ صرف اسلام بلکہ دیگر مذاہب میں بھی معذوروں کا ذکر ہے مثلاً انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجین اینڈ ایتھکس میں ذکر ہے کہ اناجیل میں بے شمار جگہوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اندھے اور کوڑھ کے مریضوں کو ہاتھ پھیر کر شفایاب کرتے تھے۔

سورۃ عبس کی آیات (۱-۲) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع (معارف القرآن جلد ہشتم، کے صفحہ ۶۰۳ پر لکھتے ہیں کہ ان مجموعہ حالات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتومؓ سے رُخ پھیر کر اپنی ناگواری کا اظہار فرمایا اور جو گفتگو تبلیغ حق کی بسلسلہ قریش کے ساتھ جاری تھی اُس کو جاری رکھا، اس پر مجلس سے فارغ ہونے کے وقت سورۃ عبس کی آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔
ان آیات میں اُمت مسلمہ کے لیے یہ ہدایت ہے کہ معذوروں کو بھی پوری اہمیت دی جائے۔ اس واقعہ سے حضرت ابن ام مکتومؓ کی دینی

از حد دلچسپی کا پہلو نکلتا ہے۔

قرآن اور سنت مبارکہ کی روشنی میں معذور افراد کے حقوق، معذور افراد کے لیے اسلام کا ماڈل اور پاکستان

قرآن حکیم اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام کا ماڈل معذور افراد کے لیے حسب ذیل ہے۔ اسلام نے معذور افراد کے حقوق کو اُس وقت متعین کیا جب یورپ اور دُنیا کے دیگر ممالک میں ان کے حقوق متعین نہیں تھے۔

(۱) معذور افراد معاشرہ کے اہم رکن ہیں انہیں ہرگز بے کار نہ سمجھا جائے بلکہ ان کی استعداد اور قابلیت کے مطابق حکومت ان سے کام لے

(۲) معذور افراد کی کفالت حکومت کا فرض ہے۔ زکوٰۃ اور صدقات سے اُن کی مدد کی جائے تاکہ انہیں گداگری نہ کرنی پڑے

(۳) معذور افراد اپنی استعداد اور خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر اعلیٰ ترین حکومتی مراتب تک پہنچ سکتے ہیں۔

(۴) اسلامی ریاست کے سربراہ کا فرض ہے کہ معذور افراد کی ذاتی کفالت کرے اور ان کی طرف ذاتی توجہ دے

(۵) معذور افراد زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ ان کی تضحیک نہ کی جائے تاکہ نفسیاتی اُلجھنیں نہ پیدا ہوں۔

(۶) زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کی تربیت کا انتظام کیا جائے مثلاً فنی تعلیم وغیرہ۔

اس ماڈل کو سامنے رکھتے ہوئے ہم پاکستان میں معذور افراد کی حالت بہتر بنا سکتے ہیں۔ پاکستان میں قانون قصاص و دیت اور دیگر قوانین کے ذریعے اُن کے حقوق کی پاسبانی کی جائے۔ حادثہ یا ناگہانی مصیبت کی صورت میں ان کو انتہائی معقول معاوضہ دیا جائے تاکہ ان کی بحالی ہو سکے۔ انہیں مکمل قانونی، مذہبی، معاشرتی اور معاشی تحفظ دیا جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

دل کی صفائی

طارق محمود
ایبٹ آباد

تاریخ اسلام کے اوائل دور میں صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ و محدثین کے علاوہ قرونِ اولیٰ اور وسطیٰ کے بزرگان و صوفیائے عظام کی زندگیوں اور ان کے احوال و آثار کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ان کی تمام تر عبادتوں، ریاضتوں کی غایت اور محنتوں کا ما حصل قلب و باطن کی صفائی کا حصول ہوتا تھا۔ یعنی شب و روز کی تمام عبادتوں کا مقصد یہی ہوتا تھا کہ انہیں صفائے قلب اور تزکیۂ نفس نصیب ہو جائے۔

صفائے قلب و باطن ہی اصل تصوف و طریقت ہے۔ یہی مدعائے تقویٰ اور یہی حاصل زندگی اور کمالِ بندگی ہے۔ اگر دل صاف نہ ہو تو اس پر عبادت کے نقش جم سکتے ہیں نہ ہی تقویٰ کے ثمرات مل سکتے ہیں جو لوگ صفائے قلب کی طرف توجہ نہیں دیتے انکے لیے تزکیۂ قلب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی بندگی کے دعویدار ہیں۔ ان کے دلوں کا یہ حال ہے کہ اگرچہ نمازیں بھی ادا کرتے ہیں، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی بھی کر لیتے ہیں مگر دل زندہ نہیں ہوتے۔ حاجی نمازی ہو کر بھی دلوں کو قرار نہیں ملتا۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس عبادت و ریاضت کا اجر ضرور عطا فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا مگر بات اُس نورِ بندگی، نورِ عبادت، نورِ روحانیت و صالحیت اور اللہ کے قرب و وصال کی ہو رہی ہے جو بندگی کا مقصود و مطلوب ہے اس کی طرف صفائے قلب کے بغیر ایک قدم بھی چلا نہیں جا سکتا۔

صفائے قلب کی اس پاکیزگی اور نورانیت کی حقیقت سمجھنے کے لیے صوفیاء نے ایک حکایت بیان کی ہے واقعہ یوں ہے کہ روم اور چین کی دو پرانی تہذیبیں چونکہ مشہور ہیں۔ ایک دفعہ کسی ملک میں ان دونوں ملکوں کے ماہرین کے درمیان نقش و نگار کا مقابلہ ہوا۔ بادشاہ نے دونوں ملکوں کے ماہرین کو حکم دیا کہ آمنے سامنے دیوار بنا کر اس پر اپنے فن کا مظاہرہ کریں اور درمیان میں پردہ لٹکا دیں تاکہ دوران عمل ایک دوسرے کا پتہ نہ چلے کہ کون کیا کر رہا ہے۔ دونوں طرف کام شروع ہو گیا۔ ایک طرف کے کاریگروں نے نقش و نگار بنانے شروع کر دیئے اور دنیا کے نادر نمونے سے دیوار کو مزین کر دیا۔ انہوں نے اپنے فن کی انتہا کر دی اور دل ہی دل میں خوش ہو گئے کہ کسی اور کے ہاں اتنے نادر نقش و نگار کے نمونے کہاں ہوں گے؟

دوسری سمت والوں نے یہ کیا کہ پس پردہ صاف دیوار بنا کر اس کو چمکانا شروع کر دیا۔ اور اتنا صیقل کر دیا کہ وہ شیشے سے کہیں زیادہ چمک دار ہو گئی۔ اس میں اتنی صفائی اور چمک پیدا کر دی کہ اس کے سامنے چھوٹی سی سوئی بھی رکھ دی جائے تو وہ اپنے اصل وجود سے کہیں زیادہ واضح شکل میں نظر آئے۔ انہوں نے اس پر کوئی نقش و نگار نہ بنائے۔

جب مقابلے کا دن آیا اور بادشاہ معائنہ کے لیے آیا تو اس نے درمیان سے پردہ ہٹانے کا حکم دیا اور دونوں طرف باری باری جائزہ لیا جب وہ ایک طرف دیکھتا تو کھردری دیوار پر نقش و نگار اپنی اصل شکل میں نظر آتے اور دوسری طرف دیکھتا تو وہی نقش و نگار یہاں بھی نظر آتے۔ لیکن یہاں ان کے ساتھ روشنیاں بھی نکلتیں۔ اس سے زیادہ چمک دمک ہوتی نتیجہ یہ ہوا کہ جنہوں نے صرف دیوار بنا کر اس کو چمکا دیا تھا وہ جیت گئے جو

نقش و نگار بناتے رہے مگر دیوار کی طرف دھیان نہ دیا وہ مقابلہ ہار گئے دوسروں نے چونکہ دیوار خوب چمکائی تھی۔ لہٰذا ان کے نقش و نگار منعکس ہو کر اس دیوار میں اپنی اصل سے بھی حسین تر دکھائی دیتے۔

یہ واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہاں صرف یہ ہے کہ من کی صفائی کی اہمیت کا احساس اجاگر ہو سکے اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اگر دل صاف ہو جائیں تو وہ آئینے کی طرح اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ خواہ ظاہری علوم ہوں یا باطنی سب ان کے اندر جمع ہو جاتے ہیں اور پھر جب ان سے انعکاسی شعاعیں نکلتی ہیں تو اس سے پورا عالم جگ مگ کرنے لگتا ہے۔ اور اس حکایت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مرید اگر اپنا قلب و باطن صاف کرے تو شیخ کی تمام تر روحانی تجلیات اس کے شیشہ دل میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ اس طرح محنت تو شیخ کی ہوتی ہے مگر اس سے مرید کا باطن بھی منور ہو جاتا ہے۔ جب دل سنور جائے اس میں برکت بھر جائے تو پھر وہ باہر کے ماحول کو متاثر کرتا ہے۔ پھر ایسا صاحبِ حال پورے ماحول کو بابرکت بنا دیتا ہے۔ اس مجلس میں آنے والوں کو بھی منور کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کی صحبت کیمیا اثر ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے اچھے حال والوں کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور برے حال والوں کی صحبت سے اجتناب برتنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

جیسے فرمایا "لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِكْرِنَا" آپ اس شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔

یعنی ذکرِ الٰہی باطن کو سنوارتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا وہ چونکہ غفلت کا شکار ہے اور اہل غفلت ہی بدحال لوگ ہوتے ہیں۔

اسی طرح صاحبِ حال اور صاحبِ قال کی مجلس میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اہل قال علماء کے صحبتیں وہ اثرات نہیں رکھتیں جو اہل حال یعنی صوفیا کی صحبتوں سے مرتب ہوتے ہیں۔ اہل قال کے لیے آنا بھی غنیمت ہے کہ وہ اپنا حال ہی درست کر لیں۔ صاحبِ حال کی مجلس کا حال ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ پاکیزہ اثرات باہر نکالتی ہیں۔ قرآنِ حکیم نے انہی صاحبِ حال لوگوں کی باطنی کیفیت اور ان کے نورانی دلوں کی ضیا پاشیوں کا تذکرہ یوں فرمایا: "اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ" (النور ۳۵) اللہ ہی آسمان و زمین کا نور ہے۔ اس کا نور ایسے طاق جیسا ہے جس میں ایک چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے۔ وہ فانوس ایسا صاف و شفاف ہے گویا موتی کی طرح چمکتا ہوا ایک ستارہ ہے۔

نیک اعمال کے ذریعے انسان کا باطن جب پاکیزہ اور منور ہو جاتا ہے تو انسان کا وجود گویا شیشے کی مانند چمکدار بن جاتا ہے جس کے اندر معرفتِ الٰہی کا چراغ جلتا ہے۔ یہی معرفت اور نورانیت اس کا حال کہلاتا ہے۔

مولانا روم ایسے ہی پاکیزہ دلوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

آئینہ کز زنگ و آلائش جدا است
پر شعاع نور خورشید خدا است

یعنی وہ آئینہ دل جو زنگ اور میل کچیل سے پاک ہو جاتا ہے پھر اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ وہ خدا کے پاکیزہ نور کے آفتاب کی شعاعوں سے معمور ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد آپ نصیحت فرماتے ہیں کہ اے غافل و نادان انسان!

رو، تو زنگار از رخِ او پاک کن
بعد ازاں آں نور را ادراک کن
ایں حقیقت را شنو از گوشِ دل
تا بروں آئی بکلی ز آب و گل

فہم گردار ید جاں را رہ دہید .

بعد ازاں از شوق پا در رہ نہید

یعنی جا اور اس نورانی آفتاب کے رخ کی کرنوں سے اپنے قلب و باطن کے زنگ کو صاف کر اور جب تیرا آئینۂ دل ایسی صحبت کی برکت سے صاف ستھرا ہو جائے تو تو بھی ایسا نور حاصل کرے جس سے زنگ آلود دلوں کی صفائی ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو دل کے کان سے سن اور قلب و باطن کی صفائی کے لیے اہلِ دل کے ہاں جایا کر تاکہ ان کی صحبت میں رہ کر تجھے بھی ان کے باطنی، روحانی اثرات زندہ کر دیں اور تو بھی دنیائے آب و گل کے مادیت پرست ماحول سے باہر نکل کر حیاتِ جاوید پا سکے۔ اے انسان! قلب و باطن کی صفائی حاصل کرنے کا نسخہ اور اس کا ثمر میں نے تجھے بتا دیا۔ اب تیرا کام ہے تو اس پر کس قدر عمل کرتا ہے۔ لیکن اگر تجھے تھوڑی بہت بھی سمجھ بوجھ ہے تو روح کی صفائی کر کے اسے پہنچنے کا راستہ دے اور جب تیری روح صاف اور منور ہو جائے تو . . .

رہ نوردِ شوق بن جا کیونکہ عشق کے راستے پر چلنے والے منزلِ مقصود پر بہت جلد پہنچ جاتے ہیں۔

لہٰذا ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ صفائے قلب حاصل کرے۔ پھر اگر وہ تھوڑا سا عمل بھی کرے گا تو اُس میں نور ہوگا، صالحیت ہو گی، للّٰہیت ہوگی اور برکت ہوگی، پھر شخصیتیں انقلابی بن جائیں گی اور زندگیاں سنور جائیں گی۔ جو شخص جس جس شعبۂ زندگی سے وابستہ ہے اُسے چاہیئے کہ وہ صفائے قلب حاصل کر لے۔ اگر کوئی کاروبار کرتا ہے تو اسے بھی صفائے قلب کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی دین کا طالبِ علم ہے وہ بھی باطنی طہارت حاصل کرے تاکہ علم اس کے اندر نور پیدا کرے۔ اگر کوئی کسی دینی تحریک سے وابستہ ہے تو اُسے بھی چاہیئے کہ وہ دوسروں کی نسبت اپنے باطن کو زیادہ پاک صاف رکھے۔

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے

وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

اَحکامِ خُدا

۱- خبردار نیک کام میں خرچ کیے ہوئے روپے کو احسان جتا جتا کر، دُکھ دینے والے کلمات کہہ کر ضائع نہ کرو۔

۲- لوگو! اپنی بہت پاکیزگی نہ جتایا کرو۔ پرہیزگاروں کو وہی خوب جانتا ہے۔

۳- مصیبت کی برداشت کے لیے صبر اور نماز کا سہارا پکڑو۔

۴- زمین پر اکڑ کر نہ چلا کر کیونکہ اکڑ کر چلنے سے تُو زمین کو پھاڑ نہیں دے گا۔ اور نہ تن کر چلنے سے پہاڑوں کی بلندی ہی کو پہنچ سکے گا۔

۵- نعمت کا ملنا آزمائش ہے کہ تم شکر کرتے ہو یا ناشکری۔

۶- جو کوئی زور و ظلم سے کسی کا مال خرد بُرد کرے گا تو ہم اس کو قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں جھونک دیں گے۔

۷- اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔

۸- گمراہوں کے سوا ایسا کون ہے جو اپنے پروردگار کی رحمت سے نا اُمید ہو۔

۹- مُسلمانو! تم ہماری یاد میں لگے رہو۔ تاکہ ہمارے ہاں بھی تمہارا ذکرِ خیر ہوتا رہے۔

۱۰- جو شخص راہِ ہدایت پر چلے گا اس کے لیے نہ دُنیا میں کوئی ڈر ہے اور نہ آخرت میں ہی غمگین ہوگا۔

مسز مقبول

مقبول اور غیر مقبول عبادت

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خالد بن معدان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی حدیث سناؤ جو آپ نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہو اور اس کو یاد کیا ہو اور اس کی شدت اور باریکی کی وجہ سے آپ اسی کا تذکرہ پُر زور کرتے ہوں تو آپ نے فرمایا ہاں بیان کرتا ہوں۔ پھر آپ بڑی دیر تک روتے رہے کہنے لگے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ملاقات کا شوق حد سے بڑھ گیا ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ آپ سواری پر بیٹھے اور مجھے بھی اپنے ساتھ پیچھے بٹھا لیا پھر ہم چلے۔ آپ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی، پھر فرمایا تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جو اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے۔ اے معاذ میں نے عرض کیا لبیک یا سید المرسلین! آپ نے فرمایا میں تجھ سے ایسی بات بیان کر رہا ہوں کہ اگر تو نے اسے یاد رکھا تو تجھے نفع دے گی اور اگر تو نے اسے ضائع کر دیا تو اللہ جل شانہ، کے نزدیک تیری حجت ختم ہو جائے گی۔

اے معاذ! اللہ رب العزت نے زمین اور آسمان کی پیدائش سے پہلے سات فرشتوں کو آسمانوں کے خازن اور دربان کی حیثیت سے پیدا کیا اور ہر ایک آسمان کے دروازے پر ایک فرشتہ کو بحیثیت دربان کھڑا کیا۔ پھر کراماً کاتبین بندے کے اعمال لے کر چڑھتے ہیں۔ ان میں روشنی اور چمک ہوتی ہے جیسے سورج کی روشنی، یہاں تک کہ وہ پہلے آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ کراماً کاتبین اس کے عمل کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں اور اس کو خالص جانتے ہیں، پھر جب وہ دروازہ پر پہنچتے ہیں تو دربان فرشتہ ان سے کہتا ہے۔ اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو۔ میں غیبت کا فرشتہ ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ایسے آدمی کے عمل اوپر نہ جانے دوں جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے۔ وہ مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

پھر دوسرے دن فرشتے اوپر جاتے ہیں۔ ان کے پاس بہت اچھے عمل ہوتے ہیں۔ وہ عمل نور سے روشن ہوتے ہیں۔ کراماً کاتبین ان کو بہت زیادہ اور پاکیزہ خیال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ دوسرے آسمان پر جاتے ہیں تو فرشتہ کہتا ہے ٹھہر جاؤ۔ اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو۔ کیونکہ اس کی نیت اس عمل سے دنیا کمانے کی تھی۔ مجھے اللہ نے حکم دے رکھا ہے کہ میں کسی ایسے آدمی کا عمل اوپر نہ جانے دوں جو مجھے چھوڑ کر غیر کی طرف متوجہ ہوتا۔ پھر فرشتے شام تک اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ پھر فرشتے بندے کا عمل لے کر اوپر جاتے ہیں اور ان سے بڑا خوش ہوتے ہیں۔ ان میں صدقہ، روزہ اور بہت سی نیکیاں ہوتی ہیں۔ فرشتے ان کو بہت زیادہ اور خالص جانتے ہیں۔ پھر جب وہ تیسرے آسمان تک پہنچتے ہیں تو دربان فرشتہ کہتا ہے کہ ٹھہر جاؤ

اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو۔ میں تکبر والوں کا فرشتہ ہوں۔ میرے اللہ نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں کسی ایسے آدمی کا عمل اوپر نہ جانے دوں جو مجھے چھوڑ کر غیر کی طرف متوجہ ہو۔ یہ آدمی لوگوں پر ان کی مجالس میں اپنی بڑائی بیان کرتا ہے۔ اور فرشتے بندے کا عمل لے کر اوپر جاتے ہیں۔ اور وہ عمل اس طرح چمکتے ہیں جیسے ستارے یا کوئی روشن ستارہ۔ ان اعمال میں سے تسبیح کی آواز آتی ہے۔ ان میں روزہ، حج، نماز اور عمرہ ہوتا ہے۔ پھر جب وہ چوتھے آسمان پر جاتے ہیں تو وہاں کا مؤکل دربان فرشتہ اُن سے کہتا ہے ٹھہر جاؤ۔ اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو۔ میں عجب والوں کا فرشتہ ہوں۔ مجھے میرے اللہ نے حکم دے رکھا ہے کہ میں ایسے آدمی کا عمل اوپر نہ جانے دوں جو مجھے چھوڑ کر غیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہ آدمی جب کوئی عمل کرتا ہے تو اس پر مغرور ہو جاتا ہے اور فرشتے بندے کا عمل لے کر اوپر جاتے ہیں۔ وُہ عمل اسی طرح آراستہ ہوتے ہیں جیسے دلہن سُسرال جانے کے وقت جب وہ ان کو لے کر پانچویں آسمان تک پہنچتے ہیں۔ ان میں جہاد، حج، عمرہ وغیرہ اچھے اعمال ہوتے ہیں ان کی چمک سورج جیسی ہوتی ہے تو فرشتہ کہتا ہے میں حسد کرنے والوں کا فرشتہ ہوں۔ یہ آدمی لوگوں پر ان چیزوں پر حسد کرتا ہے جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے دی ہیں۔ یہ آدمی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ تقسیم پر ناراض ہے۔ میرے اللہ نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں اس کے اعمال کو اوپر نہ جانے دوں یہ مجھے چھوڑ کر غیروں کی طرف متوجہ ہے اور فرشتے بندے کا عمل لے کر اوپر جاتے ہیں۔ ان میں اچھے وضو، بہت سی نمازیں، روزے، حج اور عمرہ ہوتا ہے۔ وہ چھٹے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں تو دروازے پر مقررہ نگہبان کہتا ہے۔ میں رحمت کا فرشتہ ہوں۔ ان اعمال کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو۔ یہ آدمی کبھی کسی انسان پر رحم نہیں کرتا تھا اور کسی بندے کو مصیبت پہنچتی ہے تو خوش ہوتا ہے۔ میرے اللہ نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں اس کے اعمال کو اوپر نہ جانے دوں۔ یہ مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہے۔ پھر فرشتے بندے کا عمل لے کر چڑھتے ہیں۔ اس میں بہت سا صدقہ، نماز، روزہ، جہاد اور پرہیزگاری ہوتی ہے۔ ان کی آواز ہوتی ہے جیسے رعد کی آواز اور چمک جیسے بجلی کی چمک۔ پھر جب وہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں تو فرشتہ جو اس آسمان پر مؤکل ہے کہتا ہے۔ میں ذکر کا فرشتہ ہوں، یعنی سنانے کا اور لوگوں میں آواز دینے کا۔ اس عمل والے نے اس عمل میں مجلسوں میں تذکرہ اور دوستوں میں بلندی اور بڑے لوگوں کے نزدیک جاہ پسندی کی نیت کی تھی۔ میرے اللہ نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں اس کے عمل کو اوپر نہ جانے دوں کہ یہ مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ہر وہ عمل جو اللہ کے لیے خالص نہ ہو وہ ریا ہے اور ریاکار کا عمل اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے اور فرشتے بندے کے اعمال نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عمرہ، اچھا خلق، خاموشی اور ذکرِ الٰہی لے کر اوپر جاتے ہیں۔ ساتوں آسمانوں کے فرشتے ان کی متابعت کے لیے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے سامنے سے تمام پردے پھٹ جاتے ہیں۔ پھر وہ اللہ رب العزت کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے لیے شہادت دیتے ہیں کہ اس کا عمل نیک خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ تم میرے بندے کے اعمال پر نگران ہو اور میں اس کے دل کی نگرانی کرنے والا ہوں۔ اس عمل سے اس کا ارادہ مجھے خوش کرنا نہیں تھا۔ بلکہ میرے سوا اوروں کو خوش کرنا مقصود تھا۔ میں اسے اپنے لیے خالص نہیں سمجھتا اور میں خوب جانتا ہوں جو عمل کرنے سے اس کی نیت تھی۔ اس پر میری لعنت اُس نے بندوں کو بھی دھوکہ دیا اور تم کو بھی۔ لیکن مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ میں غیبوں کا جاننے والا ہوں۔ دلوں کے خیالات سے واقف ہوں مُجھ پر کوئی پوشیدہ چیز چُھپی نہیں رہ سکتی۔ اور کوئی چھپی چیز مُجھ سے اوجھل نہیں ہے۔ میرا علم حاضر کے متعلق بھی اسی طرح ہے جس طرح مستقبل کے متعلق ہے۔ اور گزری ہوئی چیزوں کے ساتھ میرا علم اسی طرح ہے جیسا کہ باقی چیزوں کے متعلق اور میرا علم پہلے لوگوں کے ساتھ اسی طرح ہے

جیسا پھلوں کے ساتھ۔ میں پوشیدہ کو جانتا ہوں اور دل کے خیالات کو۔ میرا بندہ اپنے عمل کے ساتھ مجھے کس طرح دھوکہ دے سکتا ہے۔ دھوکہ تو مخلوق کھاتی ہے جن کو علم نہیں ہوتا۔ اور میں تو غیبوں کا جاننے والا ہوں۔ اس پر میری لعنت ہے اور ساتوں فرشتے اور تین ہزار فرشتے وداع کرنے والے سب کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب اس پر تیری لعنت ہے اور ہماری بھی لعنت۔ پھر آسمانوں والے کہتے ہیں اس پر اللہ کی لعنت اور لعنت کرنے والوں کی لعنت۔ پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رونے لگے اور بہت سخت روئے اور کہا اے اللہ کے رسول، آپ نے جو ذکر فرمایا ہے اس سے نجات کی کیا صورت ہے تو فرمایا اے معاذ اپنے نبی کی یقین میں اقتدا کر میں نے کہا آپ تو اللہ کے رسول ہیں اور میں معاذ بن جبل ہوں۔ مجھے نجات اور خلاصی کس طرح نصیب ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے معاذ اگر تیرے عمل میں کوتاہی ہو تو لوگوں کی بے آبروئی کرنے سے اپنی زبان کو روک خصوصاً اپنے بھائیوں قرآن پڑھنے والوں سے اور لوگوں کی بے آبروئی کرنے سے اپنے نفس کے عیبوں کا علم تجھے روک دے اور اپنے بھائیوں کی مذمت کر کے اپنے نفس کو پاک نہ بنا۔ اور اپنے بھائیوں کو گرا کر اپنے آپ کو بلند کرنے کی کوشش نہ کر اور اپنے عمل میں ریاکاری نہ کر کہ تو لوگوں میں پہچانا جائے اور اس طرح دنیا میں مشغول نہ ہو جا کہ تجھے آخرت کا معاملہ بھول جائے اور جب تیرے پاس کوئی اور آدمی بھی بیٹھا ہو تو کسی دوسرے سے چھپ کر مشورہ نہ کر اور لوگوں میں بڑھائی حاصل کرنے کی کوشش نہ کر کہ دنیا اور آخرت کی بھلائیاں تجھ سے مُنہ موڑ لیں گی اور اپنی مجلس میں اس طرح فحش گوئی نہ کر کہ لوگ تیری بداخلاقی کی وجہ سے تجھ سے گریز کرنے لگیں۔ اور لوگوں پر احسان نہ جتا اور لوگوں کی عزت کا پردہ اپنی زبان سے چاک نہ کر کہ تجھے جہنم کے کتے پھاڑ ڈالیں گے اور یہی ہے اللہ تعالیٰ کا قول۔

وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا یعنی ہڈیوں سے گوشت کو الگ کر دیں گے۔

میں نے عرض کیا اللہ کے رسول ان باتوں کی طاقت کون رکھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا اے معاذ جو میں نے تجھ سے بیان کیا ہے وہ اسی آدمی پر آسان ہے جس پر اللہ آسان کرے۔ تجھے ان تمام باتوں سے یہ چیز کفایت کرتی ہے کہ تو لوگوں کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو تو اپنے نفس کے لیے پسند کرتا ہے اور لوگوں کے لیے وہی کچھ ناپسند کرے جو اپنے نفس کے لیے ناپسند کرتا ہے۔ اگر تو ایسا کرے گا تو سلامت رہے گا اور نجات پا جائے گا۔

خالد بن معدان نے کہا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ قرآن پاک کی تلاوت بھی اس کثرت سے نہیں کرتے جتنا کہ اس حدیث کو بیان کرتے اور اپنی مجلس میں اس کا تذکرہ کرتے تھے۔

(ماخوذ: منہاج العابدین (اردو) مصنف امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۲۰۲ - ۲۰۶)

مجھے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوا کہ صوفیا ہی کا گروہ ہے جو خصوصیت سے اللہ کی راہ پر گامزن ہے۔ سب سے بہتر ہے۔ انہیں کا طریقہ سب سے صاف ہے۔ انہی کے خلق زیادہ پاکیزہ اور بلند ہیں بلکہ اگر تمام عقلاء و حکماء کی حکمت کو جمع کر لیا جائے اور واقفان شریعت کے اسرار و علوم کو ملا لیا جائے تاکہ ان سے بہتر سیرت تشکیل ہوئے تب بھی ان کے اخلاق و سیرت کے ڈھانچے کو بدلنا ضروری نہ ہو کیونکہ صوفیائے کرام کی تمام حرکات و سکنات چاہے ظاہری ہوں چاہے باطنی مشکوٰۃ نبوت ہی سے تو منور ہیں اور نور نبوت سے بڑھ کر اور کوئی روئے زمین پر ایسی روشنی نہیں کہ جس سے روشنی حاصل کی جائے۔

امام غزالیؒ

دلوں کی مشابہت

ترجمہ :۔ اور جو لوگ (کچھ) نہیں جانتے (یعنی مشرک) وہ کہتے ہیں کہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی ۔ اسی طرح جو لوگ اُن سے پہلے تھے ۔ وہ بھی انہی کی سی باتیں کیا کرتے تھے ۔ ان لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں جو لوگ صاحب یقین ہیں ۔ اُن کے (سمجھانے کے لئے ہم نے نشانیاں بیان کر دی ہیں (۱۱۸) (اے محمدؐ) ہم نے تم کو سچائی کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اہل دوزخ کے بارے میں تم سے کچھ پرسش نہیں ہوگی (۱۱۹)

(پارہ ۱ ، رکوع ۱۴)

اللہ جل شانہٗ نے کفار کے اعتراضات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے فرمایا قال الذین لایعلمون یہاں اُن کے کفر کو جہالت قرار دیا ہے علم سے مراد واقفیت جان پہچان ہے اور اُس کو جب ذات باری کی طرف منسوب کریں تو معرفت کہتے ہیں ۔ گویا جس قدر علوم بھی جہاں میں ہیں اُن سب سے نتیجتہً یہ بات اخذ کرنا کہ اللہ ہی اس کائنات کا مالک ہے خالق ہے رزاق ہے ۔ اور اگر باوجود ساری عمر پڑھنے پڑھانے کے کوئی ادیب ہو شاعر ہو دانش ور کوئی سائنٹسٹ ہو ۔ کوئی بھی کسی شعبے سے متعلق ہو اُس کے علوم اگر اُسے یہ معرفت یہ جان پہچان یہ نتیجہ نہ دے سکیں تو عند اللہ وہ جاہل ہے ۔

علم جو ہے یہ فی ذاتہٖ مقصود نہیں ہے ۔ مقصد نہیں ہے کہ خواہ مخواہ پڑھا جائے مقصد کو پانے کا ذریعہ ہے عمل کے لئے علم ضروری ہے جانتا نہیں ہوگا تو عمل کیسے کرے گا ۔ اس طرح معرفت باری کے لئے علم ضروری ہے ۔ علم کے نتیجے میں اللہ کی ذات تک پہنچے گا ۔

اگر یہ نتیجہ حاصل نہ ہو ۔ نہ عمل ہو نہ معرفت ہو ۔ نہ عقیدے کی اصلاح ہو سکے ۔ نہ انسان کے اعمال کی اصلاح ہو سکے تو پھر وہ جو کچھ پڑھتا پڑھاتا ہے وہ علم نہیں کہلائے گا ۔

فرمایا ۔ یہ جہلاء جو ہیں اکثر بہت بڑے فاضل لوگ بھی ہیں اکثر مشرکین مکہ بھی یہود کے علماء سے نصاریٰ کے علماء سے سوال پوچھ کر اعتراضات تلاش کر کے کرتے تھے ۔ اُن سب کو خداوند عالم نے ایک ہی خطاب کا ایک ہی لقب ارشاد فرمایا ہے کہ "لا یعلمون" سارے جاہل ہیں اس لئے کہ علم سے جو حاصل ہونا چاہیئے وہ شے اُن کے پاس نہیں ہے ایک شخص کے پاس دولت ہے دولت کا دُنیا میں مصرف یہ ہے کہ انسان آزادی سے آرام سے رہے اُس کا لباس بھی صحیح ہو اچھا گھر ہو اچھا کھانا ہو اور آرام سے اُس میں بسر کرے لیکن اگر کوئی کروڑ پتی ہے اور وہ سڑک پر بھیک مانگتا پھرتا ہے اور جو ٹکڑے ملتے ہیں وہی کھاتا ہے جو پیسہ ہے وہ بنک میں رکھا جا رہا ہے آپ اُسے امیر نہیں کہیں گے اُس دولت کا اُس کو کیا فائدہ ۔ اُس کے لئے اُس کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے ۔ یہی حال علم کا ہے کہ اس سے نتیجتہً جو بات حاصل ہونی

چاہیئے اگر وہ نہیں ہے تو علم بجائے خود ایک جہالت ہے۔
جہلاء کے اعتراضات نقل فرمائے ہیں رب کریم نے۔ کہ رب کریم جب بات کرنا چاہتا ہے۔ جب اپنی طرف سے خطاب فرماتا ہے اپنے ارشادات نازل فرما رہا ہے تو ایک بات ہم سے بھی کر لیتا آخر ہم بھی تو اسی کے بندے ہیں اور اگر وہ آپ سے بات کرتا ہے ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا
پھر اگر بات نہیں کرتا ہمیں کوئی ایسی دلیل کوئی ایسی نشانی کوئی ایسی عجیب بات ہم پر نازل فرما دیتا ہمارے سامنے منکشف فرما دیتا جس سے ہم مطمئن ہو جاتے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔
دو باتیں انہوں نے کہیں جو دونوں اُن کی جہالت پر دلالت کرتی ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مکالمہ الہٰی جسے نصیب ہوتا ہے وہ شخص نہ صرف مومن ہوتا ہے بلکہ معصوم عن الخطا ہوتا ہے مکالمہ الہٰی کے لئے یہ قوت ضروری ہے کہ کوئی نقص کوئی خطا کوئی گناہ وہاں نہ ہو اسی لئے میدان حشر میں اُن لوگوں کو جو خطاؤں میں گرفتار ہوں گے اُن لوگوں کے لئے ارشاد ہوا۔
اللہ کریم اُن سے کلام نہیں فرمائیں گے اور اگر کسی سے ذات باری کی ذاتی کلام ہوئی اُس کا ذاتی خطاب کسی کو سننے کا شرف نصیب ہوا تو گناہ اُس کے جھڑ جائیں گے خطا نہیں ہو گی یہی وجہ ہے کہ گرفتار بلا ہونے والوں کو یہ نعمت نصیب ہی نہیں ہو گی۔ اس لئے دنیا میں انبیاء علیہ السلام کو تخلیقی طور پر نبی بنا کر اور معصوم پیدا فرمایا گیا یہ استعداد ازل سے دی گئی اور یہ انسانیت پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُس نے انسانوں میں سے ان ہستیوں کو منتخب فرما کر باقی انسانیت کے لئے اللہ جل شانہٗ تک رسائی کا سبب بنایا ورنہ میدان حشر میں جب کافر بھی حاضر ہوں گے تو اگر چہ کافر کو نہ کلام باری نصیب ہو گا نہ خطاب باری نصیب ہو گا صرف اللہ کی نعمتیں دیکھنے کو ملیں گی اور مخلوق کی حضوری دیکھ کر اللہ کی عظمت کا اندازہ کر سکے گا۔ تو ہر کافر یہ پکار اُٹھے گا کہ خدایا تیری عظمت سے نا آشنا ہی رہے۔ ہمیں اگر اب دنیا میں بھیج دو تو دیکھ لینا ہم کس طرح تیری عبادت کرتے ہیں اگر دنیا میں خطاب الہٰی کسی کو نصیب ہو جائے پھر بھلا وہ کافر رہ سکتا ہے؟ پھر دنیا دارالابتلاء تو نہ رہی۔ یہ تو سوال ہی جاہلانہ تھا یہ اُن کی جہالت تھی پھر امتحان گاہ تو نہ رہی۔
امتحان تو یہ ہے کہ اصدق الصادقین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات پہ یقین کر کے اللہ کی عظمت کا اقرار کرے۔ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات پر یقین کر کے تمہیں اپنے وجود میں بھی اور اپنے اردگرد ماحول میں بھی بے شمار دلائل بکھرے ہوئے نظر آئیں تو جو عظمت باری پہ دلالت کرتے ہیں اور اگر یہ ایمان ہی نصیب نہیں ہو گا تو مکالمہ الہٰی جو اعلیٰ ترین ایمان کا اجر ہے اُس کے مانگنے کی تجھے کیا تک ہے تمہارے پاس کیا دلیل ہے اُس کے مانگنے کی۔ تم تو اُس بات کی طلب کر رہے ہو جو سب سے اعلیٰ ایمان ہے۔
اور ایسا ہی حال تمہارے دوسرے مطالبے کا بھی ہے کہ دلائل و براہین انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پیش کرتے ہیں اور حضور جتنے دلائل پیش فرما رہے ہیں اتنے شائد کوئی بھی انسان کسی دوسری جگہ نہ پا سکے تو پھر یہ اعتراض کیا معنے۔ اللہ کریم نے یہاں ایک اصول ارشاد فرمایا ہے:
فرمایا: یہی باتیں بالکل ہو بہو ان سے پہلے کافروں نے اللہ کے نبیوں اور رسولوں سے کہیں یہی بات جو یہ کہہ رہے ہیں اس سے پہلے کافروں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے انبیاء کے ساتھ کی ہیں۔
یوں کیوں ہے؟ اُن کا اُن کے ساتھ کیا تعلق ہے نہ زمانہ ایسا تھا کہ اُن کی تحریریں اُن تک پہنچتیں انہوں نے اُن کو دیکھا نہیں اُن کی بات نہیں سنی اُن کی تحریریں نہیں پڑھیں ان کے منہ سے وہ بات کیوں نکل رہی ہے جو پہلے کفار کے منہ سے نکلی تھی۔
فرمایا تشابہت قلوبھم ان کے دلوں نے اُن کے دلوں کے ساتھ مشابہت کر لی۔ آپ اگر آج تجزیہ کریں تو جو لوگ آج وجود باری کا انکار کرتے ہیں یا عظمت باری کا انکار کرتے ہیں اُن کے پاس بھی دلائل و اعتراضات وہی ہیں انہیں آپ تلاش کریں گے تو اُن لوگوں کے پاس وہی اعتراضات ملیں گے۔ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش

کئے گئے بغیر کسی درمیانی کڑی کے ۔

یہ اسی طرح سے ہوتا ہے جب خدانخواستہ کوئی شخص اپنی بدنصیبی سے اپنی بدبختی سے کفر کے گڑھے میں گرتا ہے ۔ تو پھر جس طرح کی خطا کرتا ہے اُسی طرح کے انسان سے اُس کی مشابہت ہوتی ہے حتیٰ کہ انتہائے کفر یہ ہے کہ اُس دور کے چوٹی کے لوگوں سے مشابہت پیدا ہو جائے اور یہ اتنی شدید ہو جاتی ہے کہ جو باتیں اُن کے منہ سے نکلی تھیں بغیر کسی درمیانی واسطے اور ذریعے کے وہ اُس کے منہ سے نکلنا شروع ہو جاتی ہیں صرف مشابہت قلبی کی وجہ سے جس طرح اُن کا دل تھا بالکل اُسی طرح اُن کا دل ہو گیا اور جو ظلمت اُن کے دل میں تھی وہی ظلمت اس کے دل میں وارد ہوئی کہ جو نتیجہ ظلمت سے اُن کے دل سے نکل کر اُن کی زبان پہ آیا وہی اُس کے دل سے نکل کر اُس کی زبان پہ آیا۔

اگر گناہ میں خطا میں اتنی قوت ہے کہ بغیر جانے، بغیر کسی کا حکم سنے، محض نفس کی شرارت سے محض شیطان کے القا کر دینے سے کسی نے اُس روش کو اپنایا تو اُسے کفار سے اتنی شدید مشابہت پیدا ہو گئی۔

کسی شخص کو نیکی میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم بھی پہنچ رہا ہو آپ کی بات بھی پہنچ رہی ہو آپ حکم بھی دے رہے ہوں تو اُن کی تعمیل میں کوئی شخص حضور کا اتباع کرے تو کیوں نہ اُسے مشابہت قلب اطہر صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا ہو۔ اور یہی وہ راز ہے جو اہل اللہ کو نصیب ہوتا ہے کہ صدیوں بعد بھی اُن کے ہاں وہ چیزیں پائی جاتی ہیں یا وہ نعمتیں پائی جاتی ہیں لب کھولتے ہیں تو زبان اُن کی ہوتی ہے بات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہوتی ہے کیفیات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہوتی ہیں جب کافر کی نقل کرنے سے مشابہت پیدا کرنے سے کفر کی خصلتیں اور خصوصیات منتقل ہو کر اس دل میں آجاتی ہیں۔ تو جو شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع خلوص دل سے کرے اُس میں کیوں نہ وہی باتیں اور وہی خصوصیات آئیں گی۔ اس کی اپنی حیثیت کے مطابق ہر فرد کی اپنی ایک استعداد ہوتی ہے سمندر میں اگر آپ ایک کٹورا ڈبوئیں تو اُس کٹورے میں ایک کٹورا ہی پانی آئے گا۔ چونکہ اُس برتن کی حیثیت ہی اتنی ہے یہ نہیں کہ سمندر کو کوئی کمی ہے ۔

اسی طرح ہر آدمی کی اخذ کرنے کی استعداد اپنی ہوتی ہے لیکن اخذ انہی برکات کو کرتا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تقسیم فرمائیں یہ اور بات ہے کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اور اپنی استعداد کے مطابق اخذ کرتا ہے۔

اور اگر کوئی شخص محنت و مجاہدہ بھی کرتا رہے ۔ پڑھتا اور پڑھاتا بھی رہے نماز و روزہ بھی کرتا رہے لیکن اُس کے دل میں وہ کیفیات وہ لذات وہ باتیں نہ آئیں تو اُس کا سبب صرف ایک ہو سکتا ہے کہ کافر نے جو کفر کیا وہ ظاہر بھی کافر تھا اور باطن میں بھی کافر تھا اس نے جو دعویٰ اسلام کیا غالباً اس کا ظاہر اور باطن مطابقت نہیں رکھتا۔

کافر میں ایک خصوصیت ضرور ہوتی ہے کہ جب وہ کفر کرتا ہے زبان سے تو اُس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہوتا وہ ٹھوس اور خالص کافر ہوتا ہے اُس کے کفر میں جو خلوص تھا اُس نے پہلے کافروں کے ساتھ مشابہت پیدا کر لی اور تشابہت قلوبہم ۔

اللہ کریم فرماتے ہیں جیسا پہلوں کا دل تھا پہلے کافروں کا ویسا ہی ان کافروں کا دل بھی ہو گیا اُس نے مطابقت پیدا کر لی۔

اب ایمان کا تقاضا یہ کہ جب مسلمان اپنے پہلے مسلمانوں کی خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحابہ کرام کی اور متقدمین کی اطاعت اور اتباع کرتا ہے تو اُسے اُن کے ساتھ مطابقت پیدا ہونی چاہیئے یا اگر نہیں ہوتی تو اُس کی ایک ہی وجہ بیان کی جا سکتی ہے ۔ کہ اُس کی زبان کہتی ہے کہ اس کا دل ساتھ نہیں دیتا اور اصل مدار تو قلب پر ہے کہ دل مشابہت اختیار کرے ۔ دل میں عزم ارادہ خلوص خشوع خضوع جو ہو وہ اُس چیز کے حصول کا ہو تب جا کر بات بنتی ہے ۔

فرمایا : قد بینا الایٰت لقوم یوقنون ۔ کسی کو یقین نصیب ہو تو آیات کے نزول میں کوئی کمی نہیں رہی ۔ آیات کے بیان کرنے میں آیات کے ظاہر کرنے میں دلائل و براہین میں کوئی کمی نہیں ہے بات صرف یہ ہے کہ ان کی چشم بینا نہیں ہے ان کے ہاں اعتماد نہیں ہے یقین کی دولت سے محروم ہیں

یہی بات ہے اے حبیب کہ آپ کو ہم نے حق کے ساتھ صداقت کے ساتھ یہ منصب یہ مرتبہ یہ مقام دیا ہے کہ جو آپ کا اتباع کرے اُس کو تو آپ دنیا میں ہی خدا کی رضامندی کی، جنت کی، آخرت کی بشارت دے دیں، وہ نتیجہ جو قیام حشر کے بعد، اعمال کے وزن کے بعد ساری جانچ پڑتال کے بعد سامنے آنا ہے جو بھی خلوص قلب سے آپ کی غلامی کرے آپ اُسے دُنیا میں ہی بشارت دے دیں اُسے اُس نتیجہ کی اطلاع دے دیں اُسے مبارک باد دے دیں اور اگر کوئی آپ کا اتباع نہ کرے آپ کی بات کو قبول نہ کرے اُس کو انکار کے انجام بد سے بھی مطلع فرمائیں۔

اور آگے ارشاد ہوتا ہے

جو لوگ دوزخ میں جا رہے ہیں یا جائیں گے دوزخیوں جیسے اعمال یا عقائد اپنائے ہیں آپ سے اُن کے بارے کبھی نہیں پوچھا جائے آپ کیوں متفکر ہیں۔

یعنی اتنا کرم تھا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود اقدس میں کہ آپ کفار کے کفر پہ پریشان ہو جایا کرتے تھے کہ یہ بے چارا ہے تو اللہ کی مخلوق۔ کسی انسان کا کفر پر رہنا یا کفر پر مرنا خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پریشان کر دیتا تھا جس کے لئے آپ کو خداوند عالم بطور تسلی کے ارشاد فرما رہے ہیں کہ آپ کیوں اتنا فکر کرتے ہیں آپ نے ان کی طرف سے کوئی جواب تو نہیں دینا ہے آپ کے ذمہ تو بات کا پہنچا دینا ہے آگے ان کی اپنی پسند ہے وہ اپنی پسند سے وہ راستہ اختیار کر رہے ہیں۔ تو صرف انسان ہونے کے ناطے سے اگر کافر کے لئے اتنی شفقت موجود ہے تو مومن بھی ہو اور آپ کی اتباع کا خلوص دل سے متمنی بھی ہو اور اپنے عمل سے کوشاں بھی ہو تو بھلا وہ اُس بحر سخا سے کب محروم رہ سکتا ہے۔

خداوند کریم صحیح سمجھ اور توفیق عمل عطا فرمائے۔

ضرورت لیکچرارز

• عربی و اسلامیات

تعلیمی قابلیّت : متعلّقہ مضمون میں ایم۔اے

تنخواہ : گورنمنٹ سکیل کے مطابق

اپنے اسناد کی فوٹو کاپیاں مع دو عدد فوٹو پاسپورٹ سائز درخواست ہمراہ پرنسپل کے نام روانہ کریں۔

پرنسپل :

صفارہ کالج۔ کالج روڈ۔ اویسیہ سوسائٹی ٹاؤن شپ لاہور

فون : ۸۴۴۹۰۹

اسرار التنزیل

	غیر مجلد	مجلد آرٹ پیپر
جلد اوّل	١٠٠/-	١٩٠/-
جلد دوم	٨٠/-	١٣٠/-
جلد سوم	٧٠/-	١٣٠/-
جلد چہارم	٨٠/-	١٣٠/-

منی آرڈر یا ڈرافٹ بھیج کر منگوا سکتے ہیں

اویسیہ کتب خانہ۔ اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ۔ لاہور

غبارِ راہ

بے حد شگفتہ، اُجلی اُجلی اور جذب کرنیوالی تحریر
حصّہ دوم بھی چھپ چکا ہے۔

جس میں سفر بھی ہے، سیر بھی ہے، مزاح بھی ہے، تہذیبِ مغرب کی عکاسی اور تجزیہ بھی ہے۔ مگر ان سب کے علاوہ اور ان سب پر مقدم اُس مقدس اور عظیم مشن کی تکمیل اور اپنے فرض کی ادائیگی کا احساس ہے جو اس تحریر کو ایک منفرد شان، حُسن اور مقصدیت بخشتا ہے۔ اس پائے کی تحریر صرف ایک ہی قلم کی زینتِ نوک ہو سکتی ہے

شیخ المکرم حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ
کے سفرناموں کا مجموعہ

قیمت: ۱۳۰ روپے

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہیں آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7-پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255